وہ اجنبی اپنا
رحیم گل

# عرض مصنف

ایک ایسا بھی دن تھا کہ میں "تن تارارا" کا مسودہ اٹھائے مارا مارا پھرتا تھا اور کوئی چھاپنے کی حامی نہیں بھرتا تھا۔

اور آج وہ دن ہے کہ دوست بہ اصرار کتابیں لکھواتے ہیں، اور یہ احساس دیتے ہیں کہ میرا قلم چلتے رہنا چاہیے۔

میری ایک معصوم بچی ہے۔ جب لکھنے بیٹھتا ہوں تو وہ چپکے سے پہلو میں آ کر بیٹھ جاتی ہے۔ وہ باپ کے پیار کی متلاشی ہوتی ہے۔ میں غیر شعوری طور پر ہاتھ پھیلا کر اسے آغوشِ محبت میں لے لیتا ہوں مگر شعوری طور پر اس سے غافل ہوتا ہوں۔

پتہ نہیں، اسے کیسے وجدان ہوتا ہے کہ ابو اس سے فریب کر رہا ہے۔ وہ چپ چاپ خاموش بیٹھی رہتی ہے۔ کبھی اٹھ کر چلی بھی جاتی ہے اور پھر دبے پاؤں معمول کے مطابق بغل میں آ کر بیٹھ جاتی ہے............ دو تین گھنٹے کے بعد جب میں کاغذ قلم سمیٹ کر گیان دھیان کی نگری کو ڈھا دیتا ہوں تو اچانک اس بچی کی شوخی لوٹ آتی ہے۔ آنکھیں چمکنے لگ جاتی ہیں اور وہ چمک کر کہتی ہے۔

"ابو، کام ختم ہو گیا............؟"

تب میں اسے گلے لگاتا ہوں۔ بے اختیار چومتا ہوں............ یوں دیکھتے دیکھتے ایک نئی نگری بس جاتی ہے............!

تب میں سوچتا ہوں۔ یہ نگری اچھی ہے' جس میں معصومیتوں کی کلیاں پھوٹتی ہیں یا وہ نگری اچھی' جس میں تخلیق کے کرب کی لذت آفرینیاں ہیں؟

لیکن کوئی فیصلہ نہیں ہو پاتا' نہ اسے چھوڑنے کا یارا' نہ اسے نظر انداز کرنے کی ہمت۔ زندگی میں کئی سچ پہلو بہ پہلو چلتے ہیں' سالہا سال چلتے ہیں۔ عمریں گزر جاتی ہیں مگر ان کا تصادم نہیں ہوتا..........

بعض لوگوں کے نزدیک دولت کا حصول بھی سچ ہے اور بعض کے نزدیک اقتدار کا حصول بھی سچ..........!

لیکن ایک ہم ہیں کہ ایک ہزار ایک سچ پال رکھے ہیں.......... تخلیق کے کرب کا سچ' بچی کے منے سے ہاتھ کو چومنے کا سچ' دوستوں میں مل بیٹھنے کا سچ' بنی نوع انسان کی آسودگی کا سچ' اس کے علاوہ سینکڑوں منے منے سچ' کہ ہر سچ کے پیچھے لپکنے کو جی چاہتا ہے..........

اور زندگی اتنی مختصر کہ ان میں سے بہت سی سچائیوں کو چھوئے بغیر ختم ہو جاتی ہے۔

ٹھیک ہے' ایسے لوگ جو ایک ہزار ایک سچائیوں کا ذائقہ چکھنے کی آرزو رکھتے ہیں' بے شک بکھر جاتے ہیں مگر میرے نزدیک زندگی یہی ہے کہ بارش کے قطروں کی طرح دھرتی پر پھیل جاؤ..........

کہ دھرتی اسی عمل سے شاداب ہوتی ہے..........!

"وہ اجنبی اپنا" بھی بارش کا ایک قطرہ ہے۔ خدا جانے' یہ قطرہ اردو ادب کے دامن تک پہنچتا ہے یا نہیں..........؟

رحیم گل

ہے گر بُوئے گُل نہیں، نہ سہی، یادِ گُل تو ہے
صیّاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دُور

عدالت نے اسے باعزت طور پر بری کر دیا تھا.........

وہ یتیم و یسیر تھی..........!

وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے ماں باپ کون ہیں..........؟

وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں کی رہنے والی ہے..........؟

اسے ہوش آیا تو خود کو ملک کے مشہور رفاہی ادارے انجمن بیت السلام میں پایا۔

اسی انجمن میں پلی بڑھی اور جوان ہوئی۔

اسی انجمن کے نیک کارندوں نے ایک روز اس کی شادی جمال سے طے کرا دی..........

جمال ان دنوں انگلینڈ کے شہر برمنگھم میں مقیم تھا۔

سلمیٰ اور اس کا نکاح ٹیلیفون پر ہوا۔

اس کے بعد سلمیٰ پل پل اپنے اَن دیکھے مجازی خدا کا انتظار کرنے لگی..........

آخر وہ گھڑی بھی آ گئی۔ جمال پاکستان پہنچ گیا اور دلہا بن کر اس ادارے میں آ گیا..........

سلمیٰ کو وہ دن اچھی طرح یاد تھا‘ جب انجمن کے صدر نے اس کا ہاتھ جمال کے ہاتھ میں دے کر کہا تھا..........

"بیٹا‘ آج سے یہ یتیم وبیسر لڑکی ہم نے خدا کے آسرے پر تمہیں سونپ دی۔ ہمیں یقین ہے‘ تم اسے ہمیشہ ہمیشہ خوش رکھو گے..........!"

جمال نے اقرار کیا اور تسلی دی۔

"آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا.........."

پروگرام کے مطابق سلمیٰ کی سیٹ زنانہ ڈبے میں ریزرو تھی مگر بد قسمتی‘ ہر چند کوشش کے باوجود وہ جمال کی جھلک بھی نہ دیکھ سکی..........

وہ قریب کے مردانہ ڈبے میں بیٹھا تھا..........

سلمیٰ بہت خوش تھی.......... نئی منزل کا تصور..........! اپنے گھر کا احساس‘ نئی زندگی کی سرشاری.......... اور یہ خیال‘ کہ اگلا سٹیشن آئے گا، جمال اپنے ڈبے سے اتر کر اس کے ڈبے تک آئے گا خیریت پوچھے گا۔ چائے اور کھانے کے لئے پوچھے گا اور وہ شرماتے لجاتے‘ نظریں بچاتے‘ اس کی ایک جھلک دیکھ لے گی۔

لیکن بد نصیبی نے شاید ابھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

اگلے لمحے دو گاڑیوں کی اچانک ٹکر نے اس کے سارے خواب چکنا چور کر دیئے!

قیامتِ صغریٰ کا منظر‘ ایسی چیخ و پکار‘ جو کبھی دیکھی نہ سنی.......... گاڑیوں کے ڈبے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے..........

کسی کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی‘ کسی کا بھیجا باہر‘ کوئی آخری ہچکیاں لے رہا ہے..........

عجیب افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم تھا..........

سلمیٰ کو بھی چوٹیں لگیں مگر شدید نہ تھیں..........



وہ ٹوٹے ہوئے تختوں میں بری طرح پھنسی ہوئی تھی مگر کسی نہ کسی طرح باہر نکل آئی..........

کچھ ہوش آئی‘ کسی قدر سنبھلی تو شوہر کا خیال آگیا.......... یہ گھونگھٹ لینے کا وقت نہیں تھا اور نہ اس قیامت میں کسی کو احساس تھا کہ اس نے سرخ جوڑا پہنا ہوا ہے‘ ہاتھوں اور پاؤں پر مہندی رچی ہوئی ہے..........

اس نے شوہر کی تلاش شروع کر دی..........

لیکن بے چاری کیا کرتی.......... وہ تو پیدا ہی اس لئے ہوئی تھی کہ تقدیر کی ستم ظریفیوں کا نشانہ بنے..........!

اس گاڑی میں ایک اور دلہن اپنی ماں کے ساتھ اپنے پیا کے دیس جا رہی تھی۔

اس کا شوہر ڈاکٹر تھا.......... آئی سپیشلسٹ..........

یہ ڈاکٹر سہرا باندھے ایک ٹوٹے ہوئے ڈبے میں زخمی پڑا تھا اور بے ہوش تھا..........

سلمیٰ لپک کر پہنچی۔ نبض دیکھی.......... وہ زندہ تھا.......... وہ بہت خوبصورت تھا..........

سلمیٰ روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی..........

ادھر زخمی جمال‘ گرتا اٹھتا اور لڑھکتا ہوا اپنی دلہن کی تلاش میں تھا..........

اس نے ایک بے ہوش اور خوبصورت دلہن کو دیکھا تو اپنے زخم بھول گیا..........

اس نے ڈاکٹر خیام کی بیوی نگہت کو اپنی بیوی سمجھ لیا تھا..........!

یہاں تک کوئی دھوکہ نہ تھا۔ بس یہی کہا جا سکتا تھا کہ تقدیر انہیں تماشہ بنانے پر تلی ہوئی تھی..........

دونوں میاں بیوی نے الگ الگ اپنے اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کی..........

اگر دونوں کا مڈبھیڑ ہو جاتا.......... تو شاید یہ عقدہ حل ہو جاتا.......... مگر ایسا نہ ہوا.......... زخمیوں کو مختلف ہسپتالوں میں بھیج دیا گیا..........

سلمیٰ ڈاکٹر خیام کی بیوی کی حیثیت سے اور جمال نگہت کے شوہر کی حیثیت سے ان کے ساتھ چلے گئے..........

*

ہسپتال میں ڈاکٹر خیام بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے سر اور آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ سلمیٰ حیران و پریشان کھڑی تھی.......... ہسپتال کے ڈاکٹر نے اسے انجکشن لگایا..........

تو ڈاکٹر خیام نے خفیف سا ردِ عمل دیا..........

ڈاکٹر نے مسکرا کر نرس کی طرف دیکھا..........

"امید ہے بہت جلد ہوش آ جائے گا.........."

"ڈاکٹر صاحب..........!" سلمیٰ نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ "سب ٹھیک ہے نا..........؟"

"بالکل ٹھیک ہے مسز جمال، خطرے کا لمحہ گزر چکا ہے۔"

سلمیٰ نے اطمینان کا سانس لیا.......... ڈاکٹر اور نرس چلے گئے۔ سلمیٰ نے عقیدت اور محبت سے ڈاکٹر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے سہلانے لگی۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے سوچا۔

میں تو جنم جنم کی منحوس تھی.......... میرے تاریک سائے نے اس خوبصورت آدمی کی دنیا بھی تاریک کر دی..........

پھر اس نے دل ہی دل میں دعا کی..........



"یا اللہ، تو رحم کر، ماں باپ بچپن میں بے سہارا چھوڑ گئے۔ یہ میرا آخری سہارا ہے۔ یہ مجھ سے نہ چھیننا میرے خدا!"

اسی لمحے ایک نرس کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں اخبار تھا..........

"مسز جمال، یہ اخبار دیکھ لیجئے۔ ریل کے حادثے میں مرنے والوں کی فہرست اور تصاویر چھپی ہیں۔ اس میں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے وارثوں کا ابھی تک سراغ نہیں ملا۔ حکومت ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کر رہی ہے۔ خدا کرے ان میں آپ کا کوئی رشتہ دار نہ ہو.........."

معاً ڈاکٹر خیام کے لبوں کو حرکت ہوئی۔ وہ ہوش میں آ رہا تھا۔ سلمیٰ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا..........

"میں کہاں ہوں۔" ڈاکٹر کی نحیف آواز ابھری.......... "یہ اندھیرا کیوں ہے۔ میرے سر میں بہت درد ہے۔"

"جی..........!" سلمیٰ اس پر جھک گئی.......... "آپ ہسپتال میں ہیں سرتاج، آپ کے سر اور آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ آپ کے سر پر چوٹیں لگی تھیں۔"

"اوہ..........! یہ تم ہو نگہت، یہ تم ہو نا..........؟"

اس نے بے تابی سے ہاتھ آگے بڑھائے.......... مگر سلمیٰ کے لئے یہ لمحہ قیامت سے کم نہ تھا..........

"تم ٹھیک ہو نگہت، تم ٹھیک ہو نا..........؟"

اس نے سلمیٰ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

سلمیٰ تھر تھر کانپ رہی تھی..........

"بولو نا، تم بولتی کیوں نہیں..........؟" ڈاکٹر نے اس کا ہاتھ دبایا۔

"جی..........!" اس نے کانپتے لہجے میں جواب دیا..........

"شکر ہے تم بچ گئیں' ورنہ میں تباہ ہو جاتا۔ میری دنیا بالکل ویران ہو جاتی۔"

یہی وہ لمحہ تھا.......... سلمٰی کچھ کہنا چاہتی تھی مگر زبان نے یاوری نہ کی..........

"تم خاموش کیوں ہو؟ ماں جی کا کیا حال ہے..........؟"

وہ ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ یہ دوسرا انکشاف تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم خاموش ہو۔ کیا ہوا ماں جی کو..........؟"

سلمٰی رو پڑی۔

"اللہ پر بھروسہ رکھو۔" ڈاکٹر خیام نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا.......... "جس طرح ہم دونوں کو خدا نے بچا لیا ہے وہ بھی بچ گئی ہوں گی۔ ذرا میری پٹیاں کھل جائیں تو انہیں تلاش کروں گا۔"

"جی..........!" سلمٰی ہچکی لیتے ہوئے بولی۔

"خطا ساری میری ہے۔" ڈاکٹر نے ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔ "میں نے ہی اسے مجبور کیا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ رہے۔ میرے ہی اصرار پر وہ تیار ہوئی تھیں۔ دراصل میں ٹرین میں سہاگ رات نہیں منانا چاہتا تھا۔ میں تمہیں بیس بائیس برس بعد دیکھ رہا تھا. مگر حجلۂ عروسی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے تم دونوں کی سیٹیں الگ ریزرو کروا لی تھیں.........."

سلمٰی کا برا حال تھا.......... نہ تائید کی جرأت' نہ تردید کی ہمت' وہ عجیب الجھن اور امتحان میں پھنس گئی تھی..........

ماں کے ذکر نے اسے اور زیادہ خوف زدہ کر دیا تھا.......... کوئی طاقت اسے کہہ رہی تھی کہ وہ چیخ پڑے اور ڈاکٹر کو سب کچھ بتا دے.......... لیکن جانے کونسی دوسری طاقت تھی کہ اس کی زبان بندی ہو گئی تھی.......... اور وہ سہمی ہوئی خاموش رہ گئی۔



"اچھا دیکھو.........." ڈاکٹر نے اسے اپنی طرف کھینچا.......... "اپنا چہرہ میرے قریب لاؤ۔ میرے ذہن میں تمہارا وہی تصور ہے۔ وہی چار پانچ سال کی ننھی سی گڑیا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کلی کھل کر کیا بن گئی ہے..........؟"

اس نے شوق و تجسس سے سلمٰی کے کانوں' بالوں' رخساروں اور آنکھوں پر ہاتھ پھیرا..........

پھر شک اور خوشی کے ملے جلے لہجے میں بولا..........

"کتنی بدل گئی ہو تم' بالکل نیا روپ' نئے نقش' نیا انداز' مگر ہاں' بیس اکیس برس کا فاصلہ بھی تو ہے۔ بچپن اور جوانی کے درمیان' خیر دیکھ لوں گا دو چار دن میں'میرے دل میں تو تمہاری تصویر نقش ہے۔!"

سلمٰی ہونٹ چبا رہی تھی اور آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ اپنے آپ کو خلاء میں معلق محسوس کر رہی تھی.......... زمین و آسمان دونوں سے دور۔

حالات کے تھپیڑوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا..........

نگہت آنکھوں پر پٹی بندھے بستر میں نیم دراز تھی۔ جمال نے چائے کی ٹرے اس کے سامنے تپائی پر رکھ دی.......... اور کرسی کھینچ کر قریب بیٹھ گیا.......... بسکٹ کی پلیٹ اٹھا کر نگہت کی طرف بڑھا کر بولا..........

"لو.......... یہ بسکٹ ہیں۔ پیسٹری اور سیب بھی تمہارے سامنے پڑے ہیں۔ میں چائے بناتا ہوں۔"

نگہت نے ایک بسکٹ اٹھا کر منہ میں ڈالا اور بولی۔

"قسمت پھوٹی۔ شاید ماں جی بھی حادثے میں کام آ گئی۔ ورنہ یہ سب کام آپ

کو نہ کرنے پڑتے۔"

جمال بے طرح چونکا اور اس کی زبان سے بے ساختہ "ماں جی" نکلا۔ لیکن نگہت اس کے ایکسپریشن نہ دیکھ سکی۔ اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کتنا پیار کرتی تھی۔ جس دن واپس آنا تھا، اس سے ایک دن پہلے میرے کان میں آ کر بولی......... 'نگہت بیٹی' میں بھی تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔ خیام بہت ضد کرتا ہے'.........!"

نگہت اور خیام کے نام سن کر جمال اور زیادہ حیران ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ نگہت نے اسے خاموش پا کر کہا.........

"کیا بات ہے خیام خاموش کیوں ہو گئے شاید ماں جی کا ذکر سن کر پریشان ہو گئے.........؟"

"ہاں نگہت.........!" اس نے مصنوعی لہجے میں کہا۔

"تقدیر کا لکھا کون مٹا سکتا ہے۔ شکر ہے آپ بچ گئے۔ بیس بائیس برس بعد دیکھوں گی آپ کو، کتنا مچل رہا ہے دل، کتنے بدل گئے ہوں گے آپ.........!"

جمال کے سینے میں شیطان جاگ اٹھا تھا......... اس نے سوچا......... اگر قسمت نے اتنا قیمتی ہیرا میری آغوش میں پھینک دیا ہے تو میں کیوں اسے کھو دینے کی حماقت کروں۔

نگہت نے پلیٹ ٹٹولتے ہوئے ایک اور بسکٹ اٹھایا اور بولی۔

"خاموش کیوں ہو گئے، کچھ تو بولئے نا.........؟"

"جی.........!" وہ بوکھلا کر بولا......... "چائے بنا رہا ہوں یہ لیجئے۔"

نگہت نے آگے ہاتھ بڑھایا۔ جمال نے پیالی اس کے ہاتھ میں تھمائی......... اور نظریں اس کے خوبصورت چہرے پر گاڑ دیں......... ایک طرح سے وہ حیران ہو رہا تھا کہ قسمت کی دیوی حادثے کی شکل میں اس کے لئے کیا تحفہ لائی ہے.........!



تین دن کے بعد آج ڈاکٹر خیام کی پٹی کھل رہی تھی......... ہسپتال کے ڈاکٹر کے ہمراہ دو نرسیں نہایت انہماک سے اس کام میں مصروف تھیں......... سلمٰی سہمی ہوئی ایک طرف کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی......... وہ اس لمحے سے خوف زدہ تھی، جب پٹی کھل جائے گی اور ڈاکٹر خیام آنکھیں کھول کر اسے دیکھے گا......... قیامت کے اس لمحے سے وہ کس طرح دو چار ہو گی.........؟

دوسرے ہسپتال میں نگہت کی پٹی کھلنے کا دن تھا......... مگر سلمٰی کے مقابلے میں جمال سراپا شوق بنے اسے دیکھ رہا تھا......... باتوں باتوں میں اسے معلوم ہو گیا تھا کہ دونوں نے محض تین چار سال کی عمر میں ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ بیس بائیس برس کے بعد کون کسی کی شکل اور خدو خال یاد رکھ سکتا ہے......... اور پھر بچپن کے خدو خال، یوں بھی جوانی میں بدل جایا کرتے ہیں......... اس لئے وہ کسی حد تک مطمئن تھا کہ نگہت اسے خیام ہی سمجھے گی.........

یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ اصل میاں بیوی نگہت اور خیام زخمی بھی ہوئے تو زخم سر اور آنکھوں پر لگے......... دوسری طرف سلمٰی اور جمال معجزاتی طور پر بچ گئے مگر دونوں کا آمنا سامنا نہ ہوا اور یوں بات آگے بڑھی.........

خیام کی آنکھوں سے پٹی کھل گئی......... تو ڈاکٹر نے کہا.........

"جناب، اب آپ دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیجئے۔"

خیام نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں.........

اس نے پُر شوق نگاہوں سے نرسوں اور ڈاکٹر کو دیکھا.........

اور پھر حیرت و تجسس سے سلمٰی کی طرف بھی..........!

سلمٰی نے گھبرا کر نظریں نیچے کر لیں..........

خیام نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا..........

ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا..........

"معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر خیام' آپ اپنی دلہن کو پہلی بار دیکھ رہے ہیں..........!"

"دلہن..........!" وہ حیرت اور دکھ کے لہجے میں بولا.......... "یہ تم ہو نگہت' واقعی تم ہو؟"

سلمٰی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

ایک آدھ لمحے کے لئے اس نے خیام سے نظریں ملائیں مگر خیام کی آنکھوں میں وحشت دیکھ کر سہم گئی..........

اس کی روح پر بے طرح کچوکے پڑ رہے تھے۔

وہ دل ہی دل میں اس لمحے کو کوس رہی تھی.......... کہ حقیقت کے انکشاف کے بعد وہ چپ کیوں ہو گئی تھی..........!

ادھر نگہت کی آنکھوں سے پٹی کھلی۔ ڈاکٹر کی ہدایت پر آنکھیں کھولیں تو اسے اندھیرا اندھیرا سا لگا..........

اس نے بے حد معصومیت سے کہا..........

"ڈاکٹر صاحب' اس کمرے میں تو بالکل اندھیرا ہے!"

ڈاکٹر اور نرسوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا..........

جمال کا رنگ بھی فق ہو گیا..........



نگہت چیخی..........

"ڈاکٹر صاحب' آپ بولتے کیوں نہیں مجھے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا؟"

ڈاکٹر نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہمیں افسوس ہے مسز جمال کہ حادثے میں آپ کی نظر جاتی رہی لیکن حوصلہ نہ ہاریئے۔ کسی اچھے آئی سپیشلسٹ کا علاج ہو گا تو بینائی کی نوے فیصد واپسی کا امکان ہے۔"

وہ زار و قطار رو پڑی۔

ڈاکٹر نے جمال کو اشارہ کیا.......... جمال قریب آ گیا اور نگہت کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا..........

"روؤ مت نگہت.......... میں اپنی ساری دولت خرچ کر کے تمہیں آنکھیں دلواؤں گا۔ میں یورپ اور امریکہ تک تمہارا علاج کروں گا۔"

"مگر آپ تو خود آئی سپیشلسٹ ہیں۔ کوئی اور میرا علاج کیوں کرے گا۔"

"ہاں.......... لیکن میں ڈاکٹر نہ بن سکا۔ ابتدائی ٹسٹوں میں ناکام ہو گیا تھا۔"

"تعجب ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔ "ہمیں تو یہی بتایا گیا کہ آپ ڈاکٹری کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر اور نرسیں چلی گئیں تو اس نے پوچھا۔

"ڈاکٹر نے مجھے مسز جمال کہا تھا۔ اس کا کیا مطلب؟ آپ کا نام جمال کب تھا؟"

"جمال خیام۔" وہ عیارانہ لہجے میں بولا۔ "میں نے خیام کے ساتھ جمال کا لفظ بڑھا دیا تھا۔ اچھا لگتا تھا مجھے۔ یہاں ہسپتال میں بھی یہی نام درج کیا تھا۔"

نگہت کے چہرے پر ایک عجیب سی لہر آئی، جس میں بے قراری کا عنصر نمایاں

تھا۔ اس نے رونا بند کر دیا تھا۔ آنکھوں کا دکھ بھول کر کسی نئے خطرے سے دو چار ہونے کا خوف اس کی روح میں اتر گیا تھا..........

جمال اس کے ردِعمل کو دیکھ رہا تھا.......... وہ بھی کسی حد تک پریشان ہو گیا تھا مگر یہ پریشانی، پشیمانی کے معنوں میں نہیں تھی۔

ریل چل پڑی تھی.......... ڈاکٹر خیام فسٹ کلاس کے ڈبے میں اپنی سیٹ پر نیم دراز سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا..........

سلمیٰ باتھ روم سے منہ ہاتھ دھو کر نکلی.......... اس نے کنکھیوں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا.......... ڈاکٹر کے مغموم استغراق میں ایک طرح کی وحشت تھی۔ سلمیٰ گھبرائی ہوئی سیٹ پر بیٹھ گئی.......... ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا..........

"نگہت، تم بہت بدل گئی ہو۔ تمہیں دیکھ کر دل مچلا نہیں۔ یہ سب کچھ عجیب لگا ہے۔"

سلمیٰ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گر پڑے۔

ڈاکٹر نے جواب نہ پا کر اس کی طرف دیکھا۔ اسے روتا دیکھ کر چونکا..........

"تم رو رہی ہو نگہت، نہیں بھئی میرا مطلب یہ نہیں تھا۔"

ڈاکٹر اٹھا اور اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا..........

"شاید میری باتوں سے دکھ پہنچا۔ ٹھیک تو ہے، مجھے ایسی باتیں نہیں کہنا چاہیے تھیں۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ معافی چاہتا ہوں۔"

سلمیٰ تڑپ کر بولی..........

"نہیں نہیں، مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔"

"نہیں غلطی میری ہے۔" ڈاکٹر نے رومال دیتے ہوئے کہا۔ "لو آنسو پونچھ



لو۔"

سلمیٰ آنسو پونچھتے ہوئے بولی..........

"ڈاکٹر صاحب، میں اپنی بد نصیبی پر روئی تھی۔ انسان کہیں بھی چلا جائے۔ تقدیر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔"

"دل چھوٹا نہ کرو۔ زندگی سے ہمیشہ توقع رکھو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔"

سلمیٰ نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا.......... اس کے لب کانپ رہے تھے۔

ڈاکٹر تڑپ کر رہ گیا.......... یہ چاہنے کے باوجود کہ اس کے دکھے دل پر مرہم رکھے۔ اپنے رویے کی تلافی کرے.......... نہ تو اس نے اس کا ہاتھ اٹھا کر سہلایا اور نہ زبان نے یاوری کی کہ تسلی کے دو بول کہتا..........

وہ خاموشی سے اٹھ کر سیٹ پر آ گیا اور مزید گمبھیر ہو گیا..........

جمال اور نگہت اپنی خوبصورت کوٹھی کے سامنے کار سے اترے تو نگہت نے بظاہر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا..........

"بیس برس بعد اس گھر میں آئی ہوں.......... آہ، کتنی تمنا تھی مجھے یہاں آنے کی، نصیبا آخر اپنی منزل پر لے آیا ہے۔"

"کاش! تم اپنی آنکھوں سے اس خوبصورت گھر کو دیکھ سکتیں؟"

نگہت نے مچلتے ہوئے کہا..........

"میں اندھی ہو گئی ہوں تو کیا ہوا خیام، میری من کی آنکھیں روشن ہیں۔ میں اس گھر کے چپے چپے سے واقف ہوں۔ اس گھر کے گوشے گوشے میں میں کسی سہارے کے بغیر گھوم پھر سکتی ہوں۔"

جمال مجرمانہ تاثر سے دیکھ رہا تھا کہ وہ کس طرح اور کن الفاظ میں اس کی یادوں اس کی باتوں کا مقابلہ کرے.......... کہ اس کے نوکر نے آ کر سلام کیا۔

"سلام مالک۔"

"سلام بدھو' کہو کیسے ہو..........؟"

"اللہ کا کرم ہے سرکار۔"

تم نے اپنی مالکن کو سلام نہیں کیا۔"

"ارے..........!" وہ خوش ہو کر بولا۔ "آداب مالکن۔"

"آداب.........." نگہت ہولے سے بولی۔

جمال نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا..........

"نگہت' بدھو ہمارا ملازم ہے۔ بہت پرانا' بہت نمک حلال۔"

"جی ہاں۔ اپنے وزن کے برابر نمک کھا گیا ہوں مالکن!"

نگہت ہنس پڑی..........

"پھر تو تم نمک کی کان ہو نا..........؟"

"رانی بھی یہی کہتی ہے مالکن کہ میرے ہاتھوں میں بہت نمک ہے۔"

"رانی' رانی کون؟" نگہت نے پوچھا۔

"رانی بدھو میاں کی بیوی ہے۔" جمال بولا۔ "ایک آنکھ سے کانڑی ہے مگر بدھو میاں کو بہت خوش رکھتی ہے۔"

"اچھا.........." نگہت ہنس پڑی۔

"اچھا' بدھو میاں' اب تم جاؤ اور ہمارے لئے چائے کا بندوبست کرو۔" جمال نے کہا۔ پھر اس نے نگہت کی طرف دیکھا..........

"آؤ نگہت' اپنا ہاتھ مجھے دے دو۔ ہم اندر چلتے ہیں۔"

"واہ' کہہ جو دیا' اس گھر میں مجھے کسی سہارے کی ضرورت نہیں اور پھر اندر



بیٹھ کر کیا کرنا ہے۔ میں لان میں گھوموں گی۔ پھولوں کو چھوؤں گی۔ اور ہاں۔ جھولے پر بیٹھوں گی۔"

جمال حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ نگہت کی اس گھر سے وابستگی پر پریشان بھی ہو رہا تھا..........

---

جس جھولے کا ذکر نگہت اس شوق اور محبت سے کر رہی تھی' ڈاکٹر خیام سلمیٰ کو اسی جھولے کے قریب لے آیا..........

"یہ ہے وہ جھولا' جس پر بچپن میں بیٹھ کر' ہم دونوں جھولا کرتے تھے۔ یاد ہے وہ گیت' جو ہم مل کر گایا کرتے تھے..........؟"

سلمیٰ جو اب کسی حد تک سنبھل گئی تھی۔ نفی میں سر ہلایا تو ڈاکٹر نے پریشان ہو کر کہا..........

"بھول گئی ہو تم' بچپن کی ہر بات بھول گئی ہو!"

---

اُدھر نگہت بے چین ہو کر بولی..........

"نہیں نہیں' یہ میرا گھر نہیں ہے۔ یہ میرا گھر نہیں ہو سکتا!"

"تو پھر یہ گھر کس کا ہے..........؟" جمال ڈھٹائی سے بولا..........

"جس کا بھی ہو۔ میرا نہیں' شاید آپ کا ہو۔ میرا گھر تو بڑا پیارا گھر تھا۔ میرے سرتاج کا گھر تو جنت کی طرح خوبصورت تھا۔"

"سپنے میں دیکھی ہو گی جنت!" جمال کا انداز طنزیہ تھا..........

"ہاں' شاید سپنا ہو۔ پر اس کی تعبیر یہ نہ تھی خیام!" وہ روہنکھی سی ہو گئی۔

جمال مکاری سے ہنسا..........

"پریشان ہو گئی پگلی، میں تو تمہارا امتحان لے رہا تھا۔"

"امتحان.........! کیسا امتحان..........؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ گھر، جس کا تم ذکر کر رہی ہو، بیچ دیا ہے میں نے۔"

"بیچ دیا ہے..........!" وہ ڈوبتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "وہ گھر بیچ دیا ہے۔ وہ جھولا بھی، جس پر بیٹھ کر ہم گیت گایا کرتے تھے۔"

"جھولا یہاں بھی لگ سکتا ہے نگہت۔"

"مگر وہ کوٹھی، وہ فضا، وہ حدودِ اربعہ، وہاں کی تو ہر چیز سے مجھے روحانی لگاؤ تھا۔"

"جب دیکھنے لگو گی تو یہ جگہ بھی تمہیں پسند آ جائے گی۔ بالکل ماڈرن، بہت خوبصورت کوٹھی ہے یہ۔"

"اچھا.........." اس نے ٹوٹے دل سے کہا۔ "تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں۔ لیکن سچ کہتی ہوں، اندھا ہو جانے سے اتنی تکلیف نہیں پہنچی تھی، جتنی تکلیف اس ماحول کے کھو جانے سے ہوئی.........."

ڈاکٹر کمال، ڈاکٹر خیام کے اس پرائیویٹ ہسپتال میں اس کا ساتھی تھا۔ وہ بہت زندہ دل اور شگفتہ انسان تھا.......... رات کو آٹھ بجے جب مریضوں کا راؤنڈ ختم کر کے وہ نرس کے ہمراہ دفتر آیا تو اس نے مسکرا کر نرس کی طرح دیکھا..........

"نرس.........!"

"جی.........."

"معلوم ہے نا، آج ڈاکٹر خیام کی سہاگ رات ہے..........؟"



"ہاں، ہے تو۔" اس نے ذو معنی لہجے میں کہا..........

"سہاگ رات کا تصور بھی کیا عجیب شے ہے۔ میرا خیال ہے انسان کی لاکھوں آرزوؤں میں سے اور اَن گنت خوشیوں میں سے، سہاگ رات کی خوشی سرِفہرست ہونی چاہیے۔"

"ہاں ڈاکٹر، شادی کے بغیر زندگی مکمل نہیں ہوتی.........."

"اکسائیڈ نہ کیجئے نرس، مجھے اکسائیڈ نہ کیجئے۔ کہیں سچ مچ شادی نہ کر بیٹھوں۔"

نرس ہنس پڑی..........

"تو کر لیجئے ڈاکٹر، ایسی بھی کیا رکاوٹ ہے۔ ڈاکٹری تو ایسا پیشہ ہے کہ اچھے سے اچھے خاندان اور خوبصورت سے خوبصورت ترین لڑکی مل سکتی ہے اور پھر ماشاء اللہ شکل و صورت میں بھی کسی سے کم نہیں آپ۔"

ڈاکٹر کمال ذو معنی انداز میں مسکرا کر نرس کی طرف دیکھا..........

"بنا رہی ہو نرس!"

نرس ہنستے ہوئے بولی..........

"تو کیا آپ کو احساس نہیں ہے کہ آپ گڈ لکنگ آدمی ہیں.......... سچ کہتی ہوں، آپ ڈاکٹر نہ بھی ہوتے پھر بھی لڑکیاں آپ پر ریجھ سکتی ہیں۔"

"شکریہ نرس، کسی حد تک تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں بدصورت آدمی نہیں ہوں۔ لیکن ڈاکٹر خیام کی طرح خوبصورت بھی نہیں۔"

"ڈاکٹر خیام تو خیر لاکھوں میں ایک ہیں.......... خدا کرے ان کی بیگم بھی ان ہی کی طرح خوبصورت ہو.........."

اب رات کے دس بج رہے تھے.......... وال کلاک کے پنڈولیم کی آواز پر

سلمیٰ نے چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا.......... وہ عروسی جوڑا پہنے ہوئے تھی اور سجی سجائی مسہری پر پریشان بیٹھی تھی..........

اگرچہ اس نے ڈاکٹر کا ردِ عمل دیکھ لیا تھا اور دن بھر کے واقعات بھی اس کے سامنے تھے مگر حالات کی روشنی میں تو وہ اسے اپنی بیوی سمجھ رہا تھا۔ اس لئے کچھ بعید بھی نہیں تھا کہ ادائیگی فرض کے طور پر سہاگ رات منانے آ جائے۔

یہ خیال آتے ہی وہ اور پریشان ہو گئی.......... اس نے ایک اچھے ادارے میں تربیت حاصل کی تھی.......... اور اس کا ضمیر ابھی زندہ تھا.......... اگرچہ اپنی حماقت کی وجہ سے اس نے وہ لمحہ کھو دیا تھا.......... کہ جرأت کا مظاہرہ کرتی اور صاف کہہ دیتی کہ میں تمہاری بیوی نہیں..........

لیکن ایسی گئی گزری بھی نہیں تھی کہ اب خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیتی اور سب کچھ لٹا کر زندگی کا داؤ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہار جاتی۔

یہی وہ لمحہ تھا.......... کہ اسے احساس ہو رہا تھا.......... وہ کس کا انتظار کر رہی ہے۔

وہ شخص، جو اس کا شوہر نہیں، جو اس کا کچھ بھی نہیں لگتا..........

کیا اس نے مقدس ادارے میں یہی سبق سیکھا تھا کہ امتحان کا لمحہ آئے تو خود کو حالات کے حوالے کر دے..........؟ شرافت کی چادر تار تار کر دے اور زندگی کو بے نقاب کر دے اور اس کی حرمت ختم کر دے..........؟

اور یہ کہ وہ ایک بیاہتا لڑکی ہے۔ کسی کی امانت ہے۔ بعید نہیں، کل اسے شوہر مل جائے تو کس طرح آنکھیں چار کرے گی.......... کیا منہ دکھائے گی دنیا کو، کیسے سامنا کرے گی اپنے ضمیر کا..........؟

ان سب باتوں کے احساس سے اس میں ایک نئی طاقت در آئی۔ اس نے اپنے آپ کو مضبوط محسوس کیا.......... وہ فوراً کھڑی ہو گئی..........



اور نہایت اعتماد سے جا کر دروازہ بند کر دیا..........

مگر جس کے ڈر سے دروازہ بند کیا تھا.......... وہ تو خود اپنے شوق و جذبات کے سارے دَر بند کر چکا تھا..........

پریشان خیال ڈاکٹر خیام بے دھیانی میں ہسپتال کے دفتر پہنچ گیا..........

نرس اور ڈاکٹر کمال نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا..........

ڈاکٹر خیام کے مغموم چہرے نے انہیں اور زیادہ چونکا دیا.......... لیکن ڈاکٹر کمال نے اپنی فطری خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا..........

"ارے.......... ڈاکٹر اس وقت آپ یہاں۔ بھئی آج آپ کی سہاگ رات ہے۔ جایئے جایئے ہم کنواروں کی نیند کیوں خراب کرتے ہیں!"

"ڈاکٹر کمال..........!" ڈاکٹر خیام نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"کیا بات ہے ڈاکٹر"۔ ڈاکٹر کمال اس کے لہجے سے متاثر ہو گیا.......... "آپ کے لہجے میں بڑی حسرت ہے۔ آپ کی آنکھوں میں بے پناہ دکھ ہے۔"

"ہاں ڈاکٹر کمال، میں عجیب الجھن میں گرفتار ہوں۔ بہت کڑا امتحان آیا ہے، میری زندگی میں..........!"

"بات کیا ہے ڈاکٹر..........؟"

"محبت اور فرض کی جنگ۔ فرض آگے لے جانا چاہتا ہے، دل پیچھے کھینچ رہا ہے۔ میرے حواس معطل ہو چکے ہیں۔ سمجھ نہیں آتی کیا کروں؟"

"مگر آپ نے تو لَو میرج کی ہے۔"

"ہاں.......... چار برس کی عمر میں اسے دیکھا تھا۔ وہ بہت حسین لڑکی تھی.......... بے پناہ خدو خال تھے اس کے۔ مانا کہ بیس بائیس برس کا عرصہ کم نہیں

ہوتا اور بچے جوان ہو کر کیا سے کیا بن جاتے ہیں لیکن اتنی تبدیلی.........؟ میرا دل نہیں مانتا، میری روح نہیں مانتی۔ اسے دیکھ کر میرے سارے خواب بکھر گئے ہیں.........!"

"کیا وہ بدصورت ہو گئی ہے.........؟"

"نہیں، وہ خاصی خوبصورت ہے مگر وہ نہیں، جو اتنے برس میرے تصور میں براجمان تھی۔ میری چھٹی حس اسے قبول نہیں کرتی........."

"آپ یہ تو نہیں کہنا چاہتے کہ یہ کوئی اور لڑکی ہے اور شادی میں دھوکہ ہوا ہے؟"

"نہیں ڈاکٹر، وہ میری خالہ کی لڑکی ہے۔ اکلوتی بیٹی، دھوکے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہماری منگنی بچپن میں ہو گئی تھی........."

"تو پھر خالہ کو تار دے کو بلوا لیجئے۔ احتیاطاً"!

"وہ بے چاری ریل کے حادثے میں ہلاک ہو گئی۔ نگہت کا کوئی اور رشتہ دار بھی نہیں ہے کہ اسے بلا کر پوچھوں، ماجرا کیا ہے؟"

"خود دلہن سے بات کر لیتے۔ کیا حرج ہے اس میں؟"

"دراصل حادثے کے بعد جب میں نے پہلی بار اسے ہسپتال میں دیکھا تو غیر ارادی طور پر ایسی اجنبیت کا احساس دیا کہ اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ اب وہ مجھ سے آنکھ نہیں ملاتی، روتی ہے، آنسو بہاتی ہے۔ کوئی بات نہیں کرتی۔"

"یہ تو واقعی المیہ ہے ڈاکٹر........."

"اب بتائیے میں کیا کروں۔ میرے قدم حجلۂ عروسی کی طرف نہیں اٹھتے اور ادھر یہ اندیشہ کہ کل کا سورج طلوع ہو گا تو میں اس کا سامنا کیسے کروں گا۔ آخر اس بے چاری کا قصور کیا ہے.........؟"

"عجیب کہانی ہے ڈاکٹر۔ نرس، تم کوئی رائے دو تم تو عورت ہو۔ عورت کا



دکھ سمجھتی ہو گی۔"

"مجھے تو خود سکتہ ہو گیا ہے ڈاکٹر کمال۔ ڈاکٹر خیام کا دکھ اپنی جگہ اور دلہن کا دکھ اپنی جگہ، قصور کسی کا بھی نہیں۔ کتنی بڑی ٹریجڈی ہے!"

"نرس، ڈاکٹر خیام کے لئے کافی بناؤ۔ آپ بیٹھ جائیں ڈاکٹر۔ دیکھئے کچھ نہ کچھ حل نکل آئے گا۔ ہمیں خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

جمال شیروانی پہنے خوش و مسرور حجلۂ عروسی میں پہنچا.........

چند لمحے خاموشی سے کھڑا شوق اور للچاتی ہوئی نگاہوں سے خوبصورت دلہن کو دیکھتا رہا......... پھر دبے قدم آگے بڑھ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔

نگہت چونکی.........

"کون.........؟"

جمال نے ہنس کر کہا.........

"رات کے گیارہ بجے دلہن کے کمرے میں کون آ سکتا ہے۔"

"اچھا تم ہو خیام۔" اس نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

"تم اتنی خوف زدہ کیوں ہو؟ کیا تمہیں مجھ سے ڈر لگتا ہے؟"

"نہیں نہیں، تم سے ڈر کیسا۔"

"تو پھر تم اتنی سہمی ہوئی کیوں ہو.........؟"

"دراصل ریل کے حادثے کا خوف ابھی تک میرے دل سے نہیں نکلا اور جب سے اندھی ہو گئی ہوں، اپنے آپ سے ڈرتی ہوں، اپنے احساس سے ڈرتی ہوں!"

"کیا کہتا ہے تمہارا احساس .........؟" جمال نے ذو معنی لہجے میں پوچھا۔

"بیس برس کے طویل سفر کے بعد منزل پر پہنچی ہوں مگر ابھی تک منزل کا

احساس نہیں ہوا۔"

"نگہت......... تمہارے رویے میں عجیب بے گانگی سی ہے۔ ایسا لگتا ہے، تم سے شادی کر کے میں نے تم پر بہت ظلم ڈھایا ہے۔"

"یہ بات نہیں خیام۔ بات یہ ہے کہ مجھے ابھی وجدان نہیں ہوا، نہ منزل کا، نہ شادی کا۔ کٹی پتنگ کی طرح ہوا کے رخ پر جا رہی ہوں۔ خدا جانے کس کے ہاتھ آتی ہوں۔"

"کیا بدشگونی کی باتیں کرتی ہو۔ آج ہماری سہاگ رات ہے۔ آج کی رات زندگی میں ایک بار آتی ہے۔"

اس نے نگہت کا ہاتھ پکڑ لیا مگر نگہت نے جھٹکے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"مجھے چھونے سے پہلے ایک وعدہ کرو، خیام؟"

"کیسا وعدہ لینا چاہتی ہو.........؟" اس نے مکاری سے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"پہلے وعدہ کرو، پھر بات بتاؤں گی۔"

"پہلے بات بتاؤ، پھر وعدہ کروں گا۔"

"اگر مجھ سے سچی محبت کرتے ہو، مجھے اعتماد میں لینا چاہتے ہو تو وعدہ کرنا پڑے گا، خیام۔"

"امتحان لینا چاہتی ہو، یہی نا۔ چلئے وعدہ کرتا ہوں، بتاؤ کیا بات ہے؟"

"خیام.........!" وہ بہت نرم لہجے میں بولی......... "جب تک میری آنکھیں ٹھیک نہیں ہوتیں، ہمارے درمیان میاں بیوی کا تعلق نہ ہو گا!"

جمال نے اپنی تیز آنکھیں اس پر گاڑ دیں.........

"تم مجھ پر شک کر رہی ہو نگہت.........؟"

"اگر اسے شک سمجھتے ہو تو آگے بڑھو۔ میری بوٹی بوٹی نوچ لو۔ میں کمزور عورت تمہارا کیا بگاڑ سکتی ہوں۔"



"مگر تم میری بیوی ہو نگہت۔" اس نے تلخی سے کہا۔

"میں کب انکار کرتی ہوں۔ میری درخواست صرف اتنی ہے کہ میرے اپریشن کا انتظار کرو......... بس اتنی سی خواہش ہے نا کہ تمہیں آنکھوں سے دیکھوں۔ دل میں اتار لوں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہاری ہو جاؤں!"

"فرض کرو۔ اپریشن کامیاب نہ ہوا تو.........؟" اس نے شک کا اظہار کیا۔

"اگر قسمت میں اندھیرا لکھا ہو تو پھر میں اندھیرے کو اپنی تقدیر مان لوں گی، خیام!"

"ٹھیک ہے نگہت، میں اپنے دل پر جبر کرتا ہوں۔ اپنے سینے پر پتھر رکھ دیتا ہوں۔ میں تم پر ثابت کر دوں گا کہ مجھے تم سے سچی محبت ہے۔ میں تمہاری خاطر سب کچھ کر گزروں گا۔"

"شکریہ خیام، شکریہ!" وہ ایک حد تک جذباتی ہو گئی......... "میں جانتی ہوں، میں نے تم سے نامناسب وعدہ لیا ہے مگر ماہ دو ماہ کی بات ہے۔ میں ان سب باتوں کی تلافی کر دوں گی.........!"

جمال اٹھ کھڑا ہوا تو وہ سر اٹھا کر بولی۔

"تم جا رہے ہو خیام.........؟"

"ہاں نگہت۔"

"ناراض تو نہیں ہو نا؟"

"کہہ جو دیا، میں تمہاری خاطر سب کچھ برداشت کروں گا۔"

"تھینکس خیام........."

جمال چلا گیا......... تو نگہت نے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے!

"یا پروردگار، تو مجھے طاقت بخش، تو میری رہنمائی کر، مجھے سیدھی راہ دکھا۔ مجھے آنکھیں دے کہ میں خیام کو پہچان سکوں۔"

صبح ہوئی۔ سلمیٰ رات بھر بے چینی سے جاگتی رہی............

اسے ہر لمحہ یہ کھٹکا لگا رہا کہ ڈاکٹر آئے گا............ دروازہ کھٹکھٹائے گا............ تو وہ کتنا اذیت ناک لمحہ ہو گا............

دروازہ کھولوں گی تو کہیں انہونی' ہونی نہ بن جائے............!

نہیں کھولوں گی تو ایک شریف آدمی دل میں کیا محسوس کرے گا............؟

نہ جائے ماندن' نہ پائے رفتن' والا معاملہ تھا............

لیکن ڈاکٹر نہ آیا............ نہ دروازہ کھٹکا............ اس خواہش کے باوجود کہ ڈاکٹر نہ آئے۔

اس نے اپنے سینے کے کسی گوشے میں نظر انداز کئے جانے والی سبکی محسوس کی............ اور اب وہ سوچ رہی تھی کہ ڈاکٹر سے سامنا ہو گا تو ہم دونوں نادم سے ہوں گے۔"

ایسی معصوم ندامت کہ نہ گلا' نہ شکوہ' نہ کوئی ملزم' نہ کوئی الزام' مگر شرمندگی دونوں کا مقدر............

وہ اٹھی............ اس نے دروازہ کھولا............ گربہ قدمی سے باہر آئی۔

سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا............ لان میں پھول کھل رہے تھے............

ہوا بند تھی اور خالی جھولا ساکن تھا............

برآمدے کی طرف آئی............ تو اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی............

ڈاکٹر برآمدے میں کرسی پر سر نکائے بے خبر سو رہا تھا............!

تپائی پر ادھ جلی سگرٹوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا............ ادھر ادھر بھی سگرٹوں کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے............



سلمیٰ چند لمحے بے حس و حرکت کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی............ اور خوبصورت ڈاکٹر کو دیکھتی رہی۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے............ اسے ڈاکٹر پر ترس آ گیا تھا............

وہ ڈاکٹر کو خود سے زیادہ مظلوم محسوس کر رہی تھی............

ڈاکٹر سے کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود وہ اس سے ہمدردی محسوس کرنے لگی............

وہ دبے قدم مڑی اور کچن میں چلی گئی............ اس نے جلدی سے چائے تیار کی اور واپس آ گئی............ ٹرے تپائی پر رکھی تو ڈاکٹر کی آنکھ کھل گئی............

عروسی لباس میں سلمیٰ کو دیکھ کر وہ بالکل بوکھلا گیا............

بڑبڑاتے ہوئے بولا............

"میں شرمندہ ہوں نگہت۔ بہت شرمندہ ہوں!"

سلمیٰ نگاہیں نیچے کئے ہوئے' چائے بناتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔"

"مگر مجھے تو احساس ہے۔ تمہارے سہاگ کے جوڑے پر کوئی شکن نہیں ہے۔ تمہارے ہونٹوں کی سرخی سوکھ کر جم گئی ہے۔ تمہارے ماتھے کی کہکشاں اسی طرح چمک رہی ہے اور تم کہتی ہو' مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے............!"

"یقیناً" مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ ہوا درست ہوا۔ آئندہ بھی یہی ہونا چاہیے............!"

ڈاکٹر چونکا............

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو............؟"

سلمیٰ نے چائے کا کپ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کچھ شبہات آپ کے دل میں ہیں' کچھ شکوک میرے دل میں ہیں۔ ہمیں

وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔"

"یعنی آپ کے دل میں کیا شبہات ہیں.........؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"جس بات نے مرد کی زبان بند کر رکھی ہے، وہ عورت کی زبان سے نہیں سجتی ڈاکٹر صاحب۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو نگہت.........؟"

"ہم تلوار کی دھار پر چل رہے ہیں۔ ہمیں پھونک کر قدم رکھنا چاہیے۔"

"مگر کیوں؟ اسے تم پل صراط کا سفر کیوں کہتی ہو، میں تمہارا شوہر ہوں۔ تم میری بیوی ہو۔ کیا تمہیں اس میں شک ہے.........؟"

سلمٰی نے زخمی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا......... ایک لمحہ کے لئے دونوں کی نگاہیں ملیں۔

دونوں کانپ کر رہ گئے۔ یہی وہ لمحہ تھا کہ سلمٰی کچھ کہتی......... مگر اس کی زبان تالو سے چمٹ گئی......... اس کی قوتِ گویائی جیسے سلب کر لی گئی ہو.........

وہ ہونٹ کاٹتی ہوئی تیزی سے چلی گئی.........

ڈاکٹر خیام حیران و پریشان دیکھتا رہ گیا.........

یہ ایک دوسری پہاڑ جیسی صورتِ حال تھی، جس کا سامنا ڈاکٹر کو کرنا پڑ رہا تھا.........

نہ اقرار، نہ انکار......... سلمٰی کا رویہ اسے عجیب و غریب لگا......... سلمٰی کی باتیں اسے بری بھی نہ لگیں۔ سلمٰی نے اس کی توہین بھی نہ کی تھی......... سلمٰی نے تو صرف یہی کہا تھا کہ اسے ڈاکٹر سے کوئی شکایت نہیں.........!

کوئی شکایت نہیں!!

کوئی شکایت نہیں۔!!!



ڈاکٹر سر پکڑ کر بیٹھ گیا......... اسے کچھ سوجھ نہیں رہا تھا.........

البتہ سلمٰی کا بوجھ کسی قدر ہلکا ہو گیا تھا......... اس نے اپنے رویئے میں خود اعتمادی کی جھلک محسوس کر لی تھی......... پوری طرح نہ سہی، اس نے منزل کی طرف ایک قدم اٹھا لیا تھا اور اب شاید وہ لمحہ قریب آ رہا تھا کہ وہ زبان وا کر سکے......... اپنی غلطی کا اعتراف کرے اور تلافی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دے.........!

بدھو چائے کی ٹرے لے کر نگہت کے کمرے میں آیا۔ اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سلام کیا۔

"سلام مالکن........."

"سلام بدھو........." نگہت نے خوش ہو کر کہا......... "چائے لائے ہو۔ تمہاری رانی کہاں ہے؟؟"

بدھو نے شرماتے ہوئے کہا۔

"اسے کچھ دن آرام کی ضرورت ہے مالکن۔"

"کیوں کیا ہو گیا ہے اسے؟ کل تو بالکل ٹھیک تھی۔"

"آج بھی بالکل ٹھیک ہے مالکن، صرف چند دن کی بات ہے۔ پھر وہ......... پھر وہ......... یعنی پھر میں باپ بن جاؤں گا مالکن۔"

"ارے واہ.........!" نگہت ہنس پڑی......... "تیرے منہ میں گھی شکر۔ کمال ہے ہمیں تو کچھ پتہ نہیں۔ ہاں، نظر جو نہیں آتا"۔

"کیا بتاؤں مالکن، وہ تو مجھے بھی بدھو بناتی رہی۔ آٹھ مہینے کی امید، کہتی رہی کہ پیٹ میں پانی بھر گیا ہے.........!"

"اچھا..........!" نگہت بے ساختہ ہنس پڑی۔

"وہ تو اچھا ہوا جی' ایک روز ننھے کے لئے جراب بُن رہی تھی۔ عین موقع پر پکڑ لیا.......... زبردستی اگلوایا اس سے۔"

"بہت خوشی ہوئی بدھو میاں' بہت خوشی ہوئی۔ آج ہی خیام سے کہوں گی ' نئی نوکرانی کا انتظام کرے۔ میری دیکھ بھال کے علاوہ رانی کو بھی آرام ہو جائے گا۔"

اتنے میں جمال گاؤن پہنے اندر آگیا.......... بدھو خوش ہو گیا..........

"لو مالک آ گئے.........."

"کیا بات ہے بدھو' بہت خوش ہو..........؟" جمال نے پوچھا۔

مگر بدھو کی جگہ نگہت بول پڑی..........

"چند دنوں میں بدھو میاں باپ بن جائیں گے۔ میری اور رانی کی دیکھ بھال کے لئے ایک اور نوکرانی کا انتظام کر لو۔"

"واہ بدھو میاں' خوب چھپے رستم نکلے۔"

"ہاں مالک' اللہ کا کرم ہے۔ محنت کا پھل مل ہی جاتا ہے۔"

نگہت اور جمال دونوں ہنس پڑے..........

"ٹھیک ہے بھئی' نوکرانی کا انتظام تو کرنا ہی پڑے گا۔"

اس نے چائے بنا کر نگہت کو دی تو نگہت نے پوچھا۔

"کسی اچھے آئی سپیشلسٹ کا پتہ لگ گیا ہے..........؟"

تم سے زیادہ جلدی مجھے ہے نگہت۔ میں اس کی تلاش میں ہوں۔"

"اوہ..........!" نگہت خوش ہو گئی.......... "مجھے کتنا ارمان ہے تمہیں دیکھنے کا۔ میرا خیال ہے' دنیا پیدائشی اندھوں کے لئے اتنی اذیت ناک نہیں ہو گی' جتنی ان اندھوں کے لئے جو دنیا کو دیکھنے کے بعد اندھے ہو جاتے ہیں۔"

"چھوڑو نگہت' ہر وقت اپنے اندھے پن کی باتیں نہ کیا کرو۔"



"اندھے پن کے سوا میرے پاس رہ ہی کیا گیا ہے۔ تمہیں دیکھنے کی خواہش تھی' پوری ہو گی نا جب آنکھیں ملیں گی.........."

"بیس برس بعد دیکھو گی۔ پتہ نہیں' تم نے میرے متعلق کیا تصور باندھ رکھا ہے۔ کہیں بد بختی نہ آ جائے' تمہارا تصور ٹوٹ نہ جائے.........."

"ایسا کیوں ہو گا.......... نہیں ایسا نہیں ہو گا۔ تم میرے تصور کے بر عکس ہو ہی نہیں سکتے۔" نگہت نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"فرض کرو.........." جمال نے مکارانہ انداز میں پوچھا۔ "پانچ فیصد' دس فیصد یا بیس فیصد' تمہارے تصور کے خلاف نکلا تو..........؟"

"تم ایک فیصد بھی میرے تصور کے خلاف نکلے تو میں اسے سو فیصد خلاف کہوں گی۔ بھلا ایسا کیوں ہو گا' نہیں میں نہیں مانتی۔ میرا خیام تو بس میرا خیام ہی نکلے گا۔"

"کیسا تھا تمہارا خیام؟ کیا ناک نقشہ تھا؟ دیکھوں کہاں تک یاد رکھے ہیں تم نے میرے خد و خال..........؟"

"امتحان لو گے۔" اس نے ہنستے ہوئے سوالیہ لہجے میں کہا.......... "بہتر تھا امریکہ سے اپنی تصویر نہ بھیجتے۔ میں نہ دیکھتی تمہاری جوانی کی تصویر' پھر بھی پہلی نظر میں پہچان جاتی۔"

جمال چونکا اور سنبھل کر بولا..........

"وہ میری نہیں' میرے ایک دوست کی تصویر تھی!"

"جی نہیں' وہ تمہاری تصویر تھی۔ جوان ہو کر تم بالکل میرے تصور پر پورے اترے تھے۔"

"کہاں ہے وہ تصویر..........؟"

"شاید حادثے میں گم ہو گئی ہو۔ شاید اٹیچی کیس میں ہو۔ میرے کپڑوں میں

تھی۔ یاد نہیں اب!"

جمال سوچوں میں ڈوب گیا.......... یہ نئی صورتِ حال اس کے لئے پریشان کن تھی۔ اسے یہ خیال ستا رہا تھا کہ اپریشن کے بعد اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں تو وہ میری شکل دیکھ کر بدک جائے گی اور بھانڈا پھوٹ جائے گا..........

اسے خیال آیا.......... نگہت کو اپنانے کی دو ہی صورتیں ہیں..........

پہلی یہ کہ' وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اندھی رہے..........

اپریشن ہو جائے مگر اسے ناکام بنا دیا جائے..........!

دوسری یہ کہ' وہ فیس سرجری کرا لے اور نام کے ساتھ ڈاکٹر خیام کی شکل و صورت بھی اختیار کرے..........

مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ اس کے پاس ڈاکٹر خیام کی تصویر بھی ہو۔

نگہت اسے خاموش پا کر بولی..........

"کیا بات ہے' آپ چپ کیوں ہو گئے؟"

جمال چونکا اور ہنس پڑا..........

"میں سوچ رہا تھا' کسی اچھے آئی سپیشلسٹ کی تلاش میں یورپ چلا جاؤں اور پھر تمہیں وہیں بلا لوں.........."

"اوہ..........! آپ کتنے سنجیدہ ہیں میرے بارے میں۔"

جمال کے چہرے پر ایک عیارانہ مسکراہٹ پھیل گئی..........

ڈاکٹر خیام نے مکمل طور پر اپنے آپ کو مریضوں کے لئے وقف کر دیا..........

وہ دن رات کی آرام و آسائش' ان کی خوراک اور دوسری سہولتیں بہم پہنچانے میں مصروف رہتا..........



دل کیا ٹوٹا.......... زندگی کے گداز سے اس کا سینہ بھر گیا.......... اب راحت کا یہی پہلو سامنے تھا.......... کہ بنی نوع انسان کی خدمت کرے۔ لوگوں کو آنکھیں دے اور روشنی پھیلائے۔

آج بھی وہ اپریشن سے فارغ ہونے کے بعد ایک ایسے مریض کی پٹی کھول رہا تھا' جس کا اپریشن وہ چند دن پہلے کر چکا تھا.......... یہ ایک غریب مریض تھا' جس کا علاج اس نے فیس اور دوسرے اخراجات کے بغیر کیا تھا۔

ڈاکٹر کمال اور نرس قریب کھڑے تھے..........

پٹی کھل گئی تو ڈاکٹر نے مریض سے کہا..........

"اب دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیجئے۔"

مریض کے چہرے پر شوق و تجسس کی ایک لہر ابھری.......... اس کے پپوٹے ہلے۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی منور ہوتا چلا گیا۔ وہ اچانک چیخا..........

"ڈاکٹر صاحب' مجھے نظر آ رہا ہے۔ مجھے نظر آ گیا ہے ڈاکٹر صاحب!"

ڈاکٹر خیام مسکرایا..........

نرس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے..........

ڈاکٹر کمال نے اسے مبارکباد دی..........

"مبارک ہو بھئی مبارک ہو۔"

"مہربانی ڈاکٹر مہربانی۔" مریض خوشی سے کھلا جا رہا تھا.......... "آپ کتنے خوبصورت ڈاکٹر ہیں۔ کتنے اچھے' کس زبان سے شکریہ ادا کروں آپ کا.........."

"شکریہ ان کا ادا کیجئے۔" ڈاکٹر کمال نے ڈاکٹر خیام کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ہیں بڑے ڈاکٹر' انہوں نے تمہارا اپریشن کیا تھا۔"

"یہ تو آپ سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں۔" مریض بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔

اچھے لوگ ہمیشہ خوبصورت ہوتے ہیں.......... میں کیسے اپنے جذبات کا اظہار کروں۔ بس میں آپ کا غلام ہوں' ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈاکٹر!"

"نہیں بھئی نہیں۔" ڈاکٹر خیام نے نرمی سے کہا۔ "میری زندگی میں یہی تو مسرت کا لمحہ آتا ہے' جب کسی اندھے کو روشنی ملتی ہے۔"

"اب آپ آرام کریں' مکمل آرام۔ دھوپ کا چشمہ آپ کو مل جائے گا۔ انشاء اللہ ایک ہفتے تک ہم آپ کو ہسپتال سے چھٹی دے دیں گے۔" ڈاکٹر خیام جانے لگا تو مریض نے دعا دی..........

"اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ ہم بے آسروں کے پیسے کے بغیر کون ڈاکٹر علاج کرتا۔ غریب کی جھولی میں دعاؤں کے سوا کیا ہوتا ہے۔ خدا آپ کو اس کا صلہ دے۔ خدا آپ کی طرح نیک اولاد دے!"

ڈاکٹر نے جاتے جاتے مریض کا آخری فقرہ سن لیا تھا اور کسی حد تک پریشان ہو گیا تھا..........

جب وہ تینوں ہسپتال کے برآمدے میں پہنچے تو ڈاکٹر کمال نے کہا۔

"یہ ہمارا پینسٹھواں کامیاب اپریشن تھا ڈاکٹر۔"

"مگر ہمارے چھ اپریشن ناکام بھی ہو چکے ہیں' ڈاکٹر کمال۔"

"میرا خیال ہے' دوسرے اپریشن میں ہم کامیاب ہو جائیں گے۔"

"ان کی باری کا خیال رکھو۔ وقت پر انہیں اطلاع کر دینا۔"

ڈاکٹر کمال نے ایک بار پھر اپنی طبعی خوش دلی سے کہا..........

"جس طرح آپ کی انگلیوں میں روشنی کی تنویریں ہیں ڈاکٹر' اسی طرح دفتری کام میں میرا بھی ثانی نہیں۔ اگر ڈاکٹر نہ بنتا تو اس ملک کا اول درجے کا چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہوتا۔"

ڈاکٹر خیام نے مسکراتے ہوئے اس کا کندھا تھپتھپایا اور چلا گیا۔



ڈاکٹر کمال اور نرس دفتر میں آ گئے..........

نرس ضروری اندراجات سے فارغ ہوئی تو اس نے ڈاکٹر کمال کی طرف دیکھا۔

"اب مجھے چھٹی ہے سر..........؟"

"ہاں ہاں چلے جانا' مگر دو منٹ بیٹھو۔"

نرس مسکراتے ہوئے بیٹھ گئی.......... "آرڈر سر..........!"

"آرڈر وارڈر چھوڑو نرس' ڈیوٹی کے بعد ہمیں دوستوں کی طرح گفتگو کرنا چاہیے۔"

"تو کہیئے نا' آپ کیا کہنا چاہتے ہیں..........؟"

"نرس' تم نے سنا، وہ مریض کیا کہہ رہا تھا..........؟"

"کونسا مریض ڈاکٹر..........؟" نرس نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"ارے وہی' جس کی پٹی ابھی ابھی کھلی تھی، جو بہت دعائیں دے رہا تھا۔"

"ہاں ڈاکٹر خیام کو!"

"میرا مطلب سمجھیے۔ اس نے پہلا فقرہ کیا کہا تھا۔ آنکھ کھولنے کے بعد پہلا فقرہ۔ یاد ہے آپ کو؟"

"ہاں ہاں' آپ کی خوبصورتی کی تعریف کر رہا تھا۔"

"ہاں' یہ ہے نکتہ' میرا مطلب ہے۔ یعنی مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ عورتیں تو عورتیں' مرد بھی میرے حسن سے متاثر ہو جاتے ہیں..........؟"

نرس اس کے مزاج کو سمجھتی تھی۔ اس لئے ڈاکٹر کی دلجوئی کی خاطر بولی۔

"میں تو اکثر سوچتی ہوں ڈاکٹر' آپ ڈاکٹر کیسے بن گئے۔ آپ کو فلموں میں ہیرو ہونا چاہیے تھا!"

"ہاں یہ ہے نکتہ' مگر آپ کیا سمجھتی ہیں' فلم والوں نے میرا پیچھا نہیں کیا.......... ارے صاحب' ایک سے ایک فلم کمپنی' ایک سے ایک بڑی آفر' تمیں

ہزار، چالیس ہزار، حتیٰ کہ پچاس ہزار، مگر میں نے کہا۔ زندگی کا ایم پیسہ نہیں، انسان کی خدمت ہے.......... سو وہی بنا، جو آپ کے سامنے ہوں۔!"

"یو آر گریٹ ڈاکٹر..........!"

"تھینکس مس۔ اب تم جا سکتی ہو۔"

تھینکس ڈاکٹر.........."

* * *

رات کے دس بج رہے تھے..........

جمال نے ایک ایک کر کے نگہت کے سارے اٹیچی کیس دیکھ ڈالے بالآخر اسے کامیابی ہوئی..........

ایک کتاب سے ڈاکٹر خیام کی تصویر نکل آئی..........

اس نے غور سے تصویر کو دیکھا.......... اس کے چہرے پر بیک وقت خوشی اور مکاری کے تاثرات پھیل گئے..........

وہ اسی موڈ میں قد آدم آئینے کی طرف بڑھا۔ اس نے اپنے سراپے کا جائزہ لیا.......... اس نے ایک نظر تصویر پر ڈالی.......... پھر دوبارہ اپنے سراپے پر، اب اسے آئینے میں جمال کی جگہ ڈاکٹر خیام کی شبیہہ نظر آ رہی تھی۔

وہ مسکرایا.......... یہ شیطانی مسکراہٹ تھی..........

دراصل آئینے میں اسے اپنا شیطانی تصور ہی نظر آیا تھا..........!

نگہت جو سوچوں کے دلدل میں آنکھیں جھپکا رہی تھی، جمال کے قدموں کی آواز سن کر چونکی..........

جمال ہنس پڑا..........

"ڈر گئیں تم..........! مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ اس وقت آنے کی وجہ بے حد



اہم ہے۔ سوچا، تم سے بھی مشورہ کر لوں۔"

نگہت سنبھل کر بیٹھ گئی.......... "فرمایئے۔"

"میرا خیال ہے میں کل ہی یورپ کے لئے نکل جاؤں۔"

"بہت جلدی ہے تمہیں۔"

"میں تمہاری خوبصورت آنکھوں میں جلد از جلد روشنی دیکھنا چاہتا ہوں.......... میں بہت زیادہ امیر آدمی نہیں ہوں لیکن تمہاری آنکھوں پر پندرہ بیس لاکھ روپیہ خرچ کر سکتا ہوں!"

"یہ میری توقعات کے عین مطابق ہے۔" وہ خوش ہو گئی۔ "آپ کا حوصلہ دیکھ کر یقین آ گیا ہے کہ دنیا میں محبت سے زیادہ قوی کوئی دوسرا جذبہ نہیں ہوتا.........."

"اور اگر پھر بھی تمہاری بینائی واپس نہ ہوئی تو میں اپنی ایک آنکھ نکال کر تمہاری پلکوں میں سجا دوں گا..........!"

"خیام.........." نگہت جذباتی لہجے میں بولی۔ اس کی آواز واقعی بھرا گئی تھی اور وہ جمال کے رویے سے واقعی متاثر ہو گئی تھی..........

* * *

تقریباً" ایک ماہ بعد جب جمال فیس سرجری کرا کے واپس آیا تو بدھو اور رانی بھی اسے پہچان نہ سکے۔ بدھو حیرت سے سیاہ عینک لگائے ہوئے اس اجنبی کو غور سے دیکھ رہا تھا، جو ابھی ابھی ٹیکسی سے اترا تھا..........

اور گھر کے مالک کی طرح کوٹھی میں داخل ہوا تھا..........!

رانی دور کھڑی تھی.......... مگر بدھو نے آگے بڑھ کر ایک طرح سے اجنبی کا راستہ روکا۔

"صاحب، گھر پر نہیں ہیں۔ آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں..........؟"

جمال ہنس پڑا..........

"تم نے ہمیں پہچانا نہیں بدھو، ہم تمہارے مالک ہیں۔"

"مالک..........!" بدھو نے حیرت سے کہا.......... "وہ تو ولایت گئے ہیں۔"

"ولایت اب دور نہیں بدھو۔ تم نے ہماری آواز نہیں پہچانی؟"

"آواز تو مالک کی ہے، پر شکل مالک کی نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ شکل بگڑ گئی تھی۔ شکر ہے جان بچ گئی..........!"

"اوہ اللہ.........."

"رانی ٹھیک ہے۔ مالکن ٹھیک ہے نا؟"

سب ٹھیک ہے مالک، سب ٹھیک ہے مگر.........."

جمال نے ہنس کر اس کی بات کاٹی..........

"دیکھ، جو ہو گیا سو ہو گیا.......... اب کل کی بات سوچو، جو کچھ ہم کہتے ہیں، غور سے سنو۔"

"جی مالک.........."

"تمہاری مالکن نے ابھی تک ہماری شکل نہیں دیکھی۔ اس لئے اس کے سامنے کبھی ذکر نہ کرنا کہ ہماری شکل پہلے کچھ اور تھی.........."

"جی مالک..........!"

"رانی کو بھی سمجھا دو اور گھر میں ہماری جتنی تصاویر لگی ہیں، سب کو اتار کر جلا دو.......... مالکن کو اس کا بھی پتہ نہ لگے۔"

"جی مالک.........."

"تمہیں یقین آ گیا نا، کہ ہم، ہم ہیں.......... یہ دیکھو، ہماری چابیاں، ہمارا



اٹیچی، ہماری گھڑی، ہمارا پاسپورٹ۔"

"جی مالک۔"

"اٹھاؤ اٹیچی، آؤ ہمارے پیچھے۔"

بدھو نے خاموشی سے اٹیچی اٹھایا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔

نگہت چائے پی رہی تھی.......... قدموں کی چاپ سن کر اس نے سر اٹھایا اور مسکرا پڑی۔

"خیام..........!"

"واہ خوب، تم نے ہمیں پہچان لیا..........؟"

"ایک سو آدمی میرے سامنے سے گزر جائیں پھر بھی آپ کے قدموں کی چاپ پہچان لوں۔"

"تمہاری حساسیّت کی تو داد دینا ہی پڑے گی۔"

"کہو، کیا کر کے آئے ہو..........؟"

"سارا انتظام کر آیا ہوں۔ فرانس کے ایک ہسپتال میں تمہارا بیڈ ریزرو ہو گیا ہے لیکن داخلہ دو ماہ بعد ملے گا۔"

"دو ماہ بعد..........!" نگہت کے لہجے میں مایوسی تھی..........

"اس سے پہلے بھی داخلہ مل سکتا ہے۔ انگلینڈ کے ڈاکٹر ڈیوڈ کے پرائیویٹ کلینک میں، مگر فرانس کے ہسپتال کی پورے یورپ میں دھاک ہے۔"

"پھر کیا سوچا ہے، تم نے..........؟"

"جیسے تم کہو.......... ویسے کچھ دوستوں کا خیال ہے کہ یہیں پاکستان میں رنگ پُور کے ہسپتال میں پچانوے فیصد اپریشن کامیاب ہوتے ہیں۔"

"تو پھر میری مانیں، آج ہی اس ہسپتال کو خط لکھیں۔ جب اپنے ملک میں اچھے ڈاکٹر موجود ہوں تو ہم لاکھوں روپے غیر ممالک میں کیوں خرچ کریں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں آج ہی خط لکھ دیتا ہوں.......... خدانخواستہ اپریشن کامیاب نہ ہوا پھر یورپ تو کہیں گیا نہیں۔"

"وہ ملازمہ کا انتظام ابھی نہیں ہوا۔ یورپ جانے سے پہلے کہا تھا تم سے۔"

"میں تو بھول ہی گیا تھا.......... خیر آج ہی اشتہار دے دیتا ہوں اخبار میں۔"

پریشان خیال ڈاکٹر خیام کو جانے کس وقت نیند آئی تھی.......... کس وقت آنکھ لگی تھی۔

رات کے تین بج رہے تھے اور وہ بوٹوں سمیت سو گیا تھا..........

سلمٰی نے فیصلہ کر لیا تھا..........

کہ وہ ڈاکٹر پر مزید نفسیاتی بوجھ نہیں بنے گی اور یہ گھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے گی..........

مگر جانے سے پہلے وہ ایک نظر ڈاکٹر کو دیکھنا چاہتی تھی.......... اور اگر ممکن ہوا تو وہ اسے سچی بات بتا کر رخصت ہو جائے گی..........

دل صاف ہونے کے بعد اب وہ پہلے جیسا خوف بھی محسوس نہیں کر رہی تھی۔

لائٹ جل رہی تھی.......... دروازہ کھلا تھا..........

وہ دبے قدم اندر چلی گئی..........

سوٹ اور بوٹ سمیت سوئے ہوئے ڈاکٹر کو دیکھ کر اس کا دل بھر آیا..........

آنکھوں میں آنسو آ گئے..........

اس کے دل کی گہرائیوں سے ایک ہوک اٹھی..........

کاش..........! یہ شریف آدمی سچ مچ اس کا شوہر ہوتا.......... یہ خوبصورت آدمی ہمیشہ اس کی آنکھوں کے سامنے رہتا..........



مگر یہ تو خواب کی سی باتیں تھیں.......... اس کے باطن میں جو نیکی کی کرن تھی، وہ اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔ اسے ڈاکٹر پر ترس آ گیا..........

وہ آگے بڑھی.......... نہایت عقیدت سے ڈاکٹر کے پاؤں کے قریب بیٹھ گئی.......... دھیرے دھیرے بوٹوں کے تسمے کھولے اور پھر نہایت احتیاط سے دونوں بوٹ اتارے، جرابیں اتاریں اور پیرو مرشد کی طرح اس کے پاؤں سہلانے لگی..........

ڈاکٹر گہری نیند سو رہا تھا.......... مگر اس کے لبوں پر ایک ملکوتی مسکراہٹ پھیل گئی تھی.......... وہ ایک سہانا خواب دیکھ رہا تھا..........

وہ دیکھ رہا تھا.......... کہ ننھی منی نگہت اس کے ساتھ جھولے پر بیٹھی ایک خوبصورت گیت گا رہی ہے.......... وہ خود بھی چار سال کا بچہ ہے اور اس گیت میں نگہت کا ساتھ دے رہا ہے.......... وہ نیند کی بھول بھلیوں میں دیکھتا ہے کہ دونوں جوان ہو چکے ہیں.......... اور پینگ فضاؤں میں اڑی جا رہی ہے..........

نگہت کا اصلی روپ اس کے سامنے ہے.......... وہ بے حد خوش ہیں، بے حد سرشار ہیں.......... دونوں کی آنکھوں میں سچی محبت کا پرتو ہے..........

ایک دوسرے میں اس طرح مگن ہیں.......... گویا زندگی میں مسرت کا اتنا عظیم لمحہ پھر کبھی جنم نہیں لے گا..........

آسمانی گیت جاری رہا..........

سلمٰی نے سوئے ہوئے ڈاکٹر کے چہرے پر ایسی ملکوتی کیفیت دیکھی تو پہلی بار اس کی اداس آنکھیں ایک قسم کے آسمانی نور سے روشن ہو گئیں.......... وہ اس کیفیت کو دائمی نہ بنا سکتی تھی.......... اور ایک بیاہتا عورت کے احساس فرض کی وجہ سے نہ ان لمحوں کو ابدیّت بخش سکتی تھی..........

مگر ایک شریف آدمی کے روپ میں وہ زخم خوردہ ڈاکٹر کی اس کیفیت کو طول

دے سکتی تھی.........

یہی وجہ تھی کہ ممتا سے سرشار ماں کی طرح اس نے ڈاکٹر کے پریشان بالوں میں اپنی انگلیاں ڈبو دیں.........

سوئے ہوئے ڈاکٹر کا ہاتھ اسی کیفیت میں سلمیٰ کے ہاتھ کی طرف بڑھا۔ اس نے دھیرے سے سلمیٰ کا ہاتھ پکڑ لیا.........

اب سلمیٰ کسی حد تک چونکی کہ اگلا لمحہ قیامت کا لمحہ تھا.........

ڈاکٹر بڑی عقیدت سے سلمیٰ کا ہاتھ اپنے ہونٹوں تک لے گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ ڈاکٹر سلمیٰ کا ہاتھ چومتا، سلمیٰ نے بے اختیارانہ ہاتھ کھینچ لیا۔

ڈاکٹر کی آنکھ کھل گئی.........

نگہت کے تصور میں ڈوبے ہوئے ڈاکٹر خیام نے نگہت کی جگہ سلمیٰ کو دیکھا تو چیخ اٹھا.........

"تم.........!"

اس سے پہلے کہ سلمیٰ سنبھلتی' جواب دیتی' ڈاکٹر نے تڑاخ سے اس کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا۔ سلمیٰ لڑکھڑاتی ہوئی دور جا پڑی.........

ڈاکٹر پاگلوں کی طرح مٹھیاں بھینچتا ہوا اٹھا......... اور چیختے ہوئے بولا.........

"کون ہو تم.........؟ سچ سچ بتاؤ کون ہو تم.........؟؟"

سلمیٰ سہمی ہوئی پیچھے ہٹی.........

"کیا ہو گیا ہے آپ کو.........؟"

"پاگل ہو گیا ہوں.........!" ڈاکٹر جھاگ اگل رہا تھا......... "آج میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا نہیں چھوڑوں گا' تجھے.........!!"

سلمیٰ گھبراتی ہوئی خوف زدہ پیچھے ہٹی۔



"ہوش میں آیئے میری بات سنیئے۔"

"کچھ نہیں سنوں گا' آج میں کچھ نہیں سنوں گا۔ یہ ڈرامہ آج ختم ہو جائے گا۔ یہ نفسیاتی بوجھ آج میں اتار کر پھینک دوں گا۔ سچ کہتا ہوں' آج میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

ڈاکٹر پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے لپکا.........

سلمیٰ کو احساس ہو گیا تھا کہ اس وقت ڈاکٹر کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئے گی......... وہ تیزی سے بھاگی......... اور اندھیروں میں گم ہو گئی.........

حواس باختہ ڈاکٹر چھوٹی چھوٹی سانسیں لے رہا تھا......... اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی.........

جو کچھ ہوا اتنا اچانک تھا کہ وہ سر پکڑ کے بیٹھ گیا.........

سخت سردی کے باوجود وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا......... خواب کا سہانا اثر اور اس کی بالکل برعکس تعبیر' شدید تلخی' شدید ردِ عمل......... وہ بالکل ٹوٹ گیا تھا......... اور ذہنی طور پر بکھر گیا تھا.........

خواب کی تعبیر کیا الٹی......... وہ اپنی روح میں کرچیاں چبھتی ہوئی محسوس کر رہا تھا......... اس کی آتما شدید زخمی ہو گئی تھی.........

پلک جھپکتے میں کیا سے کیا ہو گیا تھا......... اور اب جب کہ سلمیٰ نے گھر چھوڑ دیا تھا' وہ یہ فیصلہ کرنے سے عاری تھا......... کہ جو کچھ ہوا' اچھا تھا یا بُرا.........؟

مناسب تھا یا نامناسب.........؟

باقی رات وہ بے چینی سے ٹہلتا رہا......... اور سوچتا رہا......... یہ سب کیا تھا......... یہ سب کیا ہو گیا ہے.........؟

ڈاکٹر کمال دفتر میں بیٹھا تھا اور کلرک کو ہدایات دے رہا تھا............

"یہ خط پچھلے ہفتے پشاور سے آیا تھا اور یہ راولپنڈی سے' دونوں کو جواب لکھ دو کہ ان کے بیڈ ریزرو ہو گئے ہیں اور وہ کیم تک پہنچ جائیں............"

"بہت اچھا جناب۔" کلرک نے مودبانہ جواب دیا۔

"اور وہ جو نئی لڑکی انٹرویو کے لئے آئی ہے' اسے بھیج دو۔"

"یس سر............!"

کلرک فائل اٹھا کر چلا گیا............ تھوڑی دیر میں ایک لڑکی جھجکتی ہوئی اندر آ گئی۔ اس نے ڈاکٹر کو سلام کیا............

"گڈ مارننگ سر۔"

"گڈ مارننگ۔" ڈاکٹر کمال نے سر اٹھا کر اسے دیکھا............ "بیٹھئے بیٹھئے تشریف رکھئے۔"

لڑکی کرسی کی طرف بڑھی مگر اس کے انداز میں اب بھی جھجک تھی............

ڈاکٹر اسے تمسخرانہ انداز سے دیکھ کر بولا۔

"ارے بیٹھئے محترمہ' یہ ڈاکٹر کا دفتر ہے' کسی تھانیدار کا دفتر نہیں ہے۔"

"شکریہ سر............!" لڑکی مسکراتے ہوئے بیٹھ گئی............

"کیا نام ہے آپ کا............؟"

"جی............ شگفتہ!"

"بالکل اچھا نام ہے۔ پھر آپ مرجھائی ہوئی کیوں ہیں............؟"

"جی بس............"

"اوہ یس............" ڈاکٹر نے اس کی بات کاٹی............ "یعنی بس سے آئی ہیں' تھکی ہوئی ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ نرسنگ سرٹیفکیٹ ہے............؟"

"جی' یہ ہیں۔" لڑکی نے سندات نکال کر سامنے رکھ دیں۔



ڈاکٹر نے کاغذات پر نظر ڈالی اور خوش ہوتے ہوئے لڑکی کی طرف دیکھا۔

"ویری گڈ' مگر ہمیں تو شادی شدہ لڑکی نہیں چاہیے۔"

"جی میں کنواری ہوں۔"

"اوہ............ یہ ہے نکتہ' میں بھی کنوارا ہوں مس شگفتہ کنواری زندگی بے حد چارمنگ ہوتی ہے۔"

"جی............!" شگفتہ دھیرے سے بولی۔

ایک بات اور سنیئے۔ ہمارے بڑے ڈاکٹر ہیں نا' یعنی ڈاکٹر خیام' بے حد ریزرو آدمی ہیں۔ جب تک وہ آپ سے خود بات نہ کریں' آپ ان سے بات نہیں کریں گی۔"

"جی............!" لڑکی نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"البتہ میں ذرا فری لانسر قسم کا آدمی ہوں۔ گپ شپ کو برا نہیں سمجھتا کیونکہ چار دن کی زندگی ہے۔ ہنس کھیل کر گزر جائے تو اچھی ہے۔"

"جی ٹھیک ہے۔"

"آپ بھی بالکل ٹھیک ہیں تو گویا آپ کی اپوائنٹمنٹ ہو گئی۔"

"شکریہ سر............!"

"تنخواہ تو خیر ہمارے ہسپتال کی بہت معقول ہے۔ لاجنگ اور بورڈنگ اس کے سوا۔"

"مجھے امید ہے سر' میرے کام سے آپ بہت مطمئن ہوں گے۔"

"او شور' کیوں نہیں۔ مس ممتاز سے ملی ہیں آپ؟"

"جی ابھی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"تو کر لیجئے ملاقات' کلرک کے بازو والے کمرے میں ہو گی۔ کام اور کام کے اوقات سمجھ لینا اس سے۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

"اب اگر آپ جانا چاہیں تو چلی جائیں۔"

"یس سر............" لڑکی فوراً کھڑی ہو گئی۔

ڈاکٹر اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا اور پھر مسکراتے ہوئے سر ہلانے لگ گیا۔

مس ممتاز اور شگفتہ کا تعارف بس ہوا ہی تھا کہ ڈاکٹر کمال اندر آ گیا............

"گڈ مارننگ ڈاکٹر۔" مس ممتاز نے اسے خوش آمدید کہا............

"گڈ مارننگ مس، کہو اپریشن کیس تیار ہیں؟"

"بالکل رڈی سر............!"

"کتنے اپریشن ہیں آج؟"

"تین سر............"

"مگر ڈاکٹر خیام ابھی تک نہیں آیا۔"

"وہ تو نو بجے سے پانچ منٹ پہلے آ جاتے ہیں۔"

"مگر اب تو دس بج چکے ہیں۔ اپریشن کا وقت ہو چکا ہے۔"

"ٹیلی فون کر کے پوچھ لیں۔ ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"ہاں............!" ڈاکٹر نے ٹیلی فون کا چونگا اٹھایا۔ نمبر ڈائل کیا............

تھوڑی دیر انتظار کے بعد نرس کی طرف دیکھ کر بولا............

"گھنٹی بج رہی ہے، فون کوئی اٹھا نہیں رہا۔"

"اللہ کرے خیریت سے ہوں۔"

"میں جا کر دیکھ آتا ہوں۔ آپ مس شگفتہ کو سب کام سمجھا دیں۔"

ڈاکٹر کمال کے جانے کے بعد مس ممتاز نے شگفتہ کی طرف دیکھا............

"ڈاکٹر کمال بہت جولی آدمی ہیں۔ ڈاکٹر خیام سے بالکل مختلف۔"

"ہاں کچھ کچھ اندازہ ہو گیا ہے مجھے۔" شگفتہ نے مسکرا کر کہا............



"تمہارے آنے سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ ایک تو کام بٹ جائے گا، دل بھی بہلا رہے گا۔"

"مجھے بھی کچھ کم نہیں ہوئی۔ ایک تو ہسپتال کا ماحول اور پھر یہاں کا سٹاف بہت نفیس ہے۔"

*

ڈاکٹر خیام کرسی پر چپ چاپ بیٹھا بالکل پتھر کا آدمی لگ رہا تھا............

ڈاکٹر کمال نے اسے حیرت سے دیکھا............ وہ بالکل اس کے قریب جا کھڑا ہوا مگر ڈاکٹر خیام نے اس کا کوئی نوٹس نہ لیا............

"ڈاکٹر............!" ڈاکٹر کمال نے ڈرتے ڈرتے ہولے سے کہا۔

ڈاکٹر خیام نے کوئی جواب نہ دیا............ تو ڈاکٹر کمال نے نہایت نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ڈاکٹر............!"

ڈاکٹر جیسے خواب سے چونک پڑا۔ اس نے ہڑبڑا کر ڈاکٹر کمال کی طرف دیکھا............

"کیا بات ہے ڈاکٹر، طبیعت ناساز ہے............؟" ڈاکٹر کمال نے پوچھا۔

"وہ چلی گئی ڈاکٹر کمال، وہ چلی گئی!"

"کون چلی گئی؟ کہاں چلی گئی ڈاکٹر؟" ڈاکٹر کمال کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"میری بیوی چلی گئی............ بھاگ گئی، گھر سے............!"

"کیا کہہ رہے ہو ڈاکٹر............؟" ڈاکٹر کمال کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"اچھا ہوا چلی گئی بہت اچھا ہوا، ورنہ میں اسے قتل کر دیتا ڈاکٹر کمال۔ واقعی اسے قتل کر دیتا............"

"ڈاکٹر صاحب' آپ کو کیا ہو گیا ہے ؟" ڈاکٹر کمال نے پریشان ہو کر کہا۔

"ڈاکٹر کمال' وہ میری بیوی نہیں تھی اور اگر وہ میری بیوی تھی تو پھر میں خیام نہیں تھا!"

"آپ خیام نہیں تھے' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ سو فیصد ڈاکٹر خیام ہیں۔"

"تو پھر وہ نگہت نہیں تھی۔"

"نہیں تھی تو نہ سہی' اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔"

"پریشان ہونے کی بات یہ ہے کہ اگر وہ نگہت نہیں تھی تو پھر نگہت کہاں چلی گئی؟"

"ڈاکٹر' گربہ کشتن روزِ اول' آپ جو سوال آج کر رہے ہیں' اسی دن کرنا چاہیے تھا۔ نہ یہ نوبت آتی' نہ آپ پریشان ہوتے۔"

"مگر یہ لڑکی تھی کون.........؟" ڈاکٹر خیام نے مضطرب ہو کر پوچھا.........

"وہ بری لڑکی نہیں تھی۔ اس کی سرشت بھی بری نہیں تھی۔ یہ میں نے محسوس کر لیا تھا لیکن اگر وہ یہاں رہتی ، روز میرا اس کا سامنا ہوتا تو میں پاگل ہو جاتا یا میں اسے قتل کر دیتا!"

"ڈاکٹر.........!" ڈاکٹر کمال اس کا دکھ محسوس کرتے ہوئے بولا.........

"میں آپ کے دکھ کو سمجھ گیا ہوں......... میں آپ کو لینے آیا تھا......... اپریشن کا وقت ہو گیا ہے۔ آج تین اپریشن ہونے تھے مگر آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ میں مس ممتاز کو بھیجتا ہوں ۔ ٹیکہ لگوا لیجئے اور آرام سے سو جائیں۔"

" تھینکس ڈاکٹر کمال۔" ڈاکٹر خیام کی آواز بھرا گئی۔

ڈاکٹر کمال نے دوستانہ انداز میں اس کا کندھا دبایا اور ہونٹ چباتا ہوا چلا گیا۔

ڈاکٹر خیام نے محسوس کیا کہ اس کا بوجھ کسی حد تک کم ہو گیا ہے۔ پلکوں پر آئے ہوئے آنسو نیچے ڈھلک گئے.........



خواب میں آیا ہوا نگہت کا تصور ایک بار پھر اس کی روح میں حلول ہو رہا تھا۔

✱

نگہت لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی......... بدھو نہایت مؤدبانہ انداز میں دانت نکالے پاس کھڑا تھا.........

جمال خوش خوش آیا......... اس کے ہاتھ میں کھلا ہوا خط تھا۔

"مبارک ہو نگہت۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا......... "رنگ پور کے ڈاکٹر کا خط آ گیا ہے۔ تمہارا بیڈ ریزرو ہو گیا ہے۔"

"سچ.........!" وہ خوشی سے کھل اٹھی۔

"بالکل سچ' خدا کرے' تمہاری نظر ٹھیک ہو جائے لیکن تم اتنی حساس ہو' ڈر لگتا ہے مجھے دیکھ کر بدک نہ جاؤ۔"

"یہ بات تم نے ایک بار پہلے بھی کہی تھی۔ میں پوچھتی ہوں' تم ایسے فضول اندیشوں کا ذکر کیوں کرتے ہو.........؟"

"تم پیار کے معاملے میں بہت انتہا پسند ہو۔ پتہ نہیں' بچپن میں میری شکل کیسی تھی اور اب کیا ہے۔ کہیں بات تمہارے تصور سے ٹکرا گئی تو میرا کیا بنے گا؟"

"چھوڑو بھی بے کار باتیں۔ یہ بتاؤ کب جائیں گے؟"

"بس ایک دو روز میں۔کوئی اچھی ملازمہ نہ ملی تو تمہاری دیکھ بھال کے لئے کسی نرس کا انتظام کرنا پڑے گا۔"

"لیکن وہاں نرسیں وغیرہ تو ہوں گی نا؟"

"پھر بھی تمہاری خدمت کے لئے الگ ملازمہ کی ضرورت ہے۔"

"خیام........." نگہت نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "تم کتنا خیال رکھتے ہو میرا۔"

"تم کیا جانو نگہت' مجھے تم سے کتنا پیار ہے۔"

"واہ.......... میں نہ جانوں گی تو کون جانے گا۔ اپنے من کو ٹٹولتی ہوں تو تمہارے پیار کا حساب بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔"

"سچ جانو.......... سارا یورپ گھوما ہوں مگر تم جیسی بے مثال لڑکی کم کم دیکھی۔"

"میری تقدیر..........!" نگہت خوش ہو گئی۔

عین اس لمحے سلمٰی پھاٹک سے داخل ہو گئی.......... جمال نے دیکھا.......... اور نگہت سے بولا..........

"کوئی لڑکی آ رہی ہے۔ شاید ملازمت کا اشتہار پڑھ کر آئی ہو۔"

اتنے میں سلمٰی شرماتے جھجکتے قریب آ گئی.......... مگر جمال کو دیکھ کر وہ بے طرح چونکی.......... وہ ڈاکٹر خیام سے کتنا ملتا جلتا تھا.......... اسی گھبراہٹ میں اس نے سلام کے لئے ہاتھ اٹھایا..........

"آداب عرض..........!"

"آداب عرض۔" جمال نے جواب دیا۔

سلمٰی نے اخبار نکال کر کہا۔

"اخبار میں آپ کا اشتہار پڑھ کر آئی ہوں۔ مجھے ملازمت کی ضرورت ہے۔"

"ویری گڈ..........!" جمال نے خوش ہو کر کہا۔ "کیا نام ہے تمہارا؟"

"جی سلمٰی..........!"

"سلمٰی..........!" جمال چونکا.......... "خیر ٹھیک ہے' تمہارے ماں باپ' کوئی عزیز رشتہ دار؟"

"کوئی بھی نہیں' میں بچپن میں یتیم ہو گئی تھی.........."

"شادی شدہ ہو.......... ؟" جمال نے تجسس سے پوچھا۔



"جی..........!"

"تمہارے میاں کہاں ہیں..........؟"

"ایک حادثے میں بچھڑ گئے۔"

"خیر' یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ روٹی کپڑے کے علاوہ تنخواہ بھی معقول ملے گی۔ پرسوں ہم رنگ پور جا رہے ہیں، تم ہمارے ساتھ چلو گی۔"

"رنگ پور..........؟" سلمٰی نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہاں' وہاں بہت بڑا ڈاکٹر ہے۔ آئی سپیشلسٹ' امریکہ ریٹرن۔"

"ہاں ہے تو..........!" سلمٰی دبے لہجے میں بولی۔

"تم اسے جانتی ہو..........؟" نگہت نے شوق اور تجسس سے پوچھا۔

"انہیں کون نہیں جانتا بی بی جی۔ میری ایک سہیلی اندھی ہو گئی تھی' اسے بھی آنکھیں دی ہیں اس نے۔"

"جس سے بھی سنا ہے' یہی سنا ہے۔" نگہت کے لہجے میں شوق اور فخر تھا.......... "شاید بہت تجربہ کار ہیں..........؟"

"ہم نے تو سنا ہے' اپنے من کی روشنی دوسرے کے من میں انڈیل دیتا ہے۔"

"واہ.......... کیا بات کہی!" نگہت کھل اٹھی.......... "سیدھا جنت میں جائے گا یہ ڈاکٹر۔"

"اچھا نگہت۔" جمال اٹھ کھڑا ہوا.......... "میں دوسرے انتظامات بھی مکمل کر لوں' تم ان سے دل بہلاؤ۔ یہ تمہاری ملازمہ کی ملازمہ ہے' سہیلی کی سہیلی' بالکل تمہاری عمر کی ہے۔"

جمال چلا گیا تو نگہت نے اس سے کہا۔

"بیٹھو بہن بیٹھو۔"

سلمیٰ نے بیٹھتے ہوئے پوچھا.........

"بی بی جی' رنگ پور کیوں جا رہے ہیں آپ؟"

"ارے تمہیں بتایا نہیں' میں اندھی ہوں۔ میری نظر جاتی رہی۔"

"اوہ.........! کیسے کھو گئی آپ کی نظر؟"

"ریل کے ایک حادثے میں.........!"

"ریل کے حادثے میں.........!" سلمیٰ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں......... میں دلہن بن کر جا رہی تھی۔ دو گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئیں۔ چوٹیں بھی آئیں' نظر بھی جاتی رہی۔"

"پھر.........؟"

سلمیٰ نے حیرت اور تعجب سے پوچھا۔

"ایک دکھ ہوتا تو بتاتی۔ میری ماں بھی حادثے میں کام آ گئی۔"

"کتنے عرصے کی بات ہے یہ.........؟" سلمیٰ کی حیرت اور بڑھ گئی.........

"یہی دو ڈھائی مہینے کی۔"

"دو ڈھائی مہینے کی.........!" وہ بالکل بوکھلا گئی۔

"کیوں......... تم اتنی حیران کیوں ہوئیں.........؟" نگہت نے اس کی بوکھلاہٹ محسوس کی۔

"جی نہیں۔" سلمیٰ سنبھل کر بولی......... "بس افسوس ہوا۔ شاید آپ نے اپنے دلہا کو دیکھا بھی نہیں ہو گا.........؟"

"دیکھا تھا' بچپن میں۔" نگہت خوش ہو کر بولی۔ "جب ہم چھوٹے چھوٹے تھے۔ ایک ساتھ جھولا جھولتے تھے' گایا کرتے تھے لیکن بیچ میں بیس برس بیت گئے' تب سے نہیں دیکھا........."

سلمیٰ کو یقین آتا جا رہا تھا......... کہ قدرت اسے صحیح مقام پر لے آئی



ہے......... اس نے مزید تسلی کے لئے بات آگے بڑھائی.........

"خدا کرے آپ کی نظر واپس آ جائے۔ کتنا رومانٹک ہو گا۔ کتنا اچھا لگے گا' جب آپ بیس برس بعد دلہا کو دیکھیں گی۔"

"ہاں' واقعی بے حد رومانٹک ہو گا۔ خیام بار بار کہتا ہے' اس کی شکل بدل گئی ہے۔ پر میں کیوں مانوں' میرے تو دل میں بسی ہوئی ہے ان کی صورت۔"

نگہت کی زبان سے خیام کا نام سن کر وہ بے طرح گھبرا گئی.........

اگر نگہت کو نظر آتا تو وہ اس کا ردِ عمل دیکھ کر پوچھتی.........

"یہ تم ہر بات میں اتنا شدید ردِ عمل کیوں دیتی ہو.........؟"

لیکن اس کی نوبت نہ آئی......... سلمیٰ بدستور پریشان تھی اور ہونٹ کاٹ رہی تھی مگر یہ موقع خاموش رہنے کا بھی نہیں تھا......... یہی وجہ تھی کہ اس نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا.........

"بڑی دردناک کہانی ہے آپ کی۔"

"ہاں......... ان دو ڈھائی مہینوں میں کئی قیامتیں گزر گئیں مگر انسان جتنا حساس ہوتا ہے' اتنا ہی ڈھیٹ بھی ہوتا ہے۔ ابھی تک امید کا دامن نہیں چھوڑا اور میں بے تاب ہوں اس گھڑی کے لئے' جب آنکھوں سے پٹی کھلے گی اور میں روشن آنکھوں سے دنیا کو دیکھوں گی۔"

"بی بی جی' گستاخی نہ ہو۔ تو میں آپ کا نام پوچھ لوں.........؟"

"ہاں بھئی کیوں نہیں۔ شاید تمہیں یاد نہیں رہا' ابھی خیام نے میرا نام لیا تھا۔ میرا نام نگہت ہے.........!"

سلمیٰ چیختے چیختے رہ گئی......... اب سارے پردے اٹھ چکے تھے۔

یہ اس کے شوہر کا گھر ہے۔

اور نگہت اس کی بیوی نہیں ہے.........؟

کیا اس کی نیت میں کھوٹ آ چکی ہے؟

یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آ گئی تھی.......... کہ نگہت معصوم ہے' بے قصور ہے۔ اندھے پن کی وجہ سے جمال کو خیام سمجھ رہی ہے.......... اور یہ جو قیامتوں کا ذکر ہے' اس کے کچھ معنی ہیں۔ اس کے پیچھے شکوک و شبہات کے اندھیرے پھیلے ہوئے ہیں۔

لیکن یہ آزمائش کی گھڑی تھی.......... اب کیا ہو گا' اب کیا ہو گا.......... وہ اس آزمائش میں کیسے پار اترے گی..........؟

اپنے شوہر کو شوہر کیونکر کہے گی..........؟

کون اس کی بات کا اعتبار کرے گا..........؟

نگہت کے مقابلے میں کون اسے منہ لگائے گا..........؟

وہ ساری رات سو نہ سکی..........

اگرچہ قدرت کے غیبی ہاتھ نے اسے منزل پر پہنچا دیا تھا لیکن ابھی وہ لمحہ نہیں آیا تھا کہ وہ حقیقتِ حال کا انکشاف کرتی۔ بظاہر تو انکشاف میں کوئی چیز مانع نہیں تھی مگر یہ ڈر کہ اس کی بات کا کوئی یقین نہیں کرے گا اور یہ خوف بھی کہ خدا جانے اس کے شوہر کا ردِ عمل کیا ہو گا..........؟

اس نے طے کر لیا.......... کہ وقت کا انتظار کرے گی' خصوصاً" اس لمحے کا جب نگہت کی آنکھوں سے پٹی کھلے گی.......... ڈاکٹر خیام اور جمال دونوں اس کے سامنے ہوں گے.......... راز کھلے گا اور وہ ڈرامائی انداز میں سامنے آئے گی اور اپنے حق رسی کے لئے آواز اٹھائے گی..........

ان دوران میں وہ یہ بھی جان گئی کہ نگہت بھی خود اس کی طرح معصوم ہے اور جمال اس کے جسم کو حاصل نہیں کر سکا ہے..........

اس بات سے وہ کسی حد تک مطمئن ہو گئی..........



لیکن ایک بات اس کے لئے بے حد تکلیف دہ تھی۔ جب وہ اپنے شوہر کو نگہت کی محبت میں سرشار دیکھتی.......... وہ نگہت کے حسن اور شخصیت سے اس خطرناک حد تک مرعوب تھا کہ اس کے لئے بڑے سے بڑا اقدام کر سکتا تھا بلکہ نگہت کو اپنانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا سکتا تھا..........

یہ مسئلہ سلمٰی کے لئے انتہائی تشویشناک تھا مگر اس نے ضبط سے کام لیا اور صبر و تحمل سے حالات کا سامنا کرنے کا فیصلہ کر لیا..........

*

سلمٰی کے جانے کے بعد ڈاکٹر خیام ایک حد تک سنبھل گیا تھا لیکن محبت کی چوٹ کھانے کا صدمہ اس کی آنکھوں میں بالکل عیاں تھا.......... اب زندگی کا صرف ایک ہی پہلو رہ گیا تھا.......... مریض اور ہسپتال..........!

ڈاکٹر نے خود کو اس کے لئے وقف کر دیا تھا..........

ڈاکٹر کمال کو جب بھی موقع ملتا' اس کا دل بہلاتا اور اسے مصروف رکھتا۔ دونوں نرسوں کو بھی ڈاکٹر سے بہت ہمدردی تھی اور وہ ڈاکٹر کا بے حد احترام کرتی تھیں۔

ڈاکٹر خیام اپنے دفتر میں واش بیسن پر ہاتھ دھو کر تولیے سے خشک کر رہا تھا کہ جمال ڈاکٹر کمال کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا۔

ڈاکٹر خیام پر نظر پڑتے ہی جمال بری طرح چونکا.......... یہ تو بالکل وہی شخص تھا' جس کے چہرے کی نقل اس نے اتاری تھی..........!

خود ڈاکٹر خیام نے بھی حیرت سے اس اجنبی کو دیکھا۔

ڈاکٹر کمال قہقہہ لگا کر ہنس پڑا..........

"میں جانتا تھا ڈاکٹر' انہیں دیکھ کر آپ ضرور چونکیں گے۔ خود میں بھی آپ

طرح چونکا تھا............ تو غالباً" وہ تھیوری درست نکلی کہ دنیا میں ایک شکل کے نو آدمی ہوتے ہیں...........!"

"آپ کی تعریف...........؟" ڈاکٹر خیام نے ڈاکٹر کمال سے پوچھا۔

"آپ اسلام آباد سے آ رہے ہیں۔ اس مریضہ کے شوہر ہیں، جسے آج ہی کمرہ نمبر9 الاٹ ہوا ہے..........."

"آئی سی...........!" ڈاکٹر نے مسکرا کر اس سے ہاتھ ملایا...........

ڈاکٹر کمال نے بات آگے بڑھائی...........

"آپ کے ہم شکل ہی نہیں ہیں، ہم نام بھی ہیں۔ آپ خیام ہیں تو آپ جمال خیام ہیں!"

"عجیب اتفاق ہے۔ آپ سے مل کر واقعی خوشی ہوئی۔"

"مجھے بھی ڈاکٹر۔" جمال نے روایتی لہجے میں کہا...........

"بس تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے۔" ڈاکٹر کمال نے گرہ لگائی۔ "آپ کی آنکھیں نیلی ہیں، ان کی کالی۔ آپ ڈاکٹر ہیں اور یہ بزنس مین!"

جمال بظاہر مسکرا رہا تھا........... اور ڈاکٹر کمال کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ ڈاکٹر خیام کو دیکھ کر اس کا رواں رواں کانپ اٹھا تھا........... اس کا بس چلتا تو اسی وقت ہسپتال سے بھاگ جاتا........... مگر مصلحتاً خاموش رہا...........

ہسپتال پہنچ کر نگہت بہت خوشی محسوس کر رہی تھی........... ابھی ڈاکٹر نے اس کی آنکھوں کا معائنہ نہیں کیا تھا مگر وہ نہایت پر امید تھی۔ اس کا اظہار اس کی باتوں سے ہو رہا تھا۔ وہ سلمیٰ سے کہہ رہی تھی...........

"تو تمہیں یقین ہے کہ میری نظر ٹھیک ہو جائے گی۔"

"ہاں........... میرا ایمان ہے۔ میرا دل کہتا ہے۔"

"میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔" وہ جوش سے بولی۔ "سوچتی ہوں تو خوشی سے دل



بلیوں اچھلنے لگ جاتا ہے۔"

"آج معائنہ کر کے ہی بتا دیں گے۔"

"یعنی یہ کہ میری آنکھوں میں نور ہے کہ نہیں...........؟" نگہت نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہاں........... سنا ہے، وہ ہمیشہ کھری بات کرتے ہیں۔ جو سچ ہوتا ہے، منہ پر کہہ دیتے ہیں۔"

"یہی تو اچھے آدمی کی پہچان ہے سلمیٰ۔ پیچ دار باتیں کرنے والے لوگ ناقابلِ اعتبار ہوتے ہیں..........."

"غالباً وہ آ رہے ہیں۔" سلمیٰ نے چونک کر گھونگھٹ نکال لیا۔

نگہت بھی سنبھل کر بیٹھ گئی...........

ڈاکٹر خیام، ڈاکٹر کمال، نرس اور جمال کے ہمراہ برآمدے میں پہنچ گئے تھے۔

جمال نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھولا اور دھیرے سے بولا۔

"ڈاکٹر صاحب معائنے کے لئے آ گئے ہیں۔"

نگہت نے پلکیں جھپکائیں۔ وہ سراپا انتظار لگ رہی تھی۔ جمال نے دروازے کی طرف دیکھا۔

"آیئے، ڈاکٹر صاحب آیئے۔"

ڈاکٹر سٹاف کے ساتھ اندر آ گیا...........

مگر اگلا لمحہ قیامت کا لمحہ تھا...........

نگہت کو دیکھ کر ڈاکٹر بے طرح چونک اٹھا تھا........... وہ چند لمحے بے حس و حرکت کھڑا رہا...........

سلمیٰ جو گھونگھٹ لئے ایک طرف کھڑی تھی، ڈاکٹر کی گھبراہٹ کو دیکھ رہی تھی۔

جمال بھی دم بخود کھڑا تھا............

نرس اور ڈاکٹر کمال نے بھی ڈاکٹر خیام کی وحشت محسوس کی۔ یہی وجہ تھا کہ ڈاکٹر کمال آگے بڑھا اور نگہت کی آنکھوں کو غور سے دیکھنے لگا...........

ڈاکٹر خیام ابھی تک حیران اور وحشت زدہ کھڑا تھا.......... اسی لمحے نرس نے آگے بڑھ کر آنکھوں کا معائنہ کرنے والا آلہ ڈاکٹر کی طرف بڑھایا.......... ڈاکٹر چونکا.......... اور قدرے سنبھل گیا..........

اس نے جھک کر نگہت کی آنکھوں کو دیکھا.......... اور دھیرے سے بولا...........

"غالباً" پہلے تو نظر ٹھیک تھی ان کی...........؟"

"جی ہاں.........." جمال نے جواب دیا.......... "ایک حادثے میں نظر جاتی رہی۔"

اب ڈاکٹر نے مختلف آلات کی مدد سے آنکھوں کا معائنہ کیا.......... ان لمحوں میں نگہت کے لبوں پر ایک عجیب و غریب مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

ڈاکٹر خیام نے بے حد اطمینان سے جمال کی طرف دیکھا...........

"انشاء اللہ بینائی واپس آ جانے کی قوی امید ہے۔"

"تھینکیو ڈاکٹر..........!" جمال خوشی سے بوکھلاتے ہوئے بولا۔

"سنا ہے ڈاکٹر۔" نگہت سے نہ رہا گیا.......... "آپ اپنے من کی روشنی دوسروں کی آنکھوں میں انڈیل دیتے ہیں..........؟"

"ایسا دعویٰ تو نہیں خاتون' البتہ کوشش ضرور کرتا ہوں کہ یہاں سے کوئی مایوس نہ جائے۔"

"دوسروں کی مایوسی چھین لینا کتنی بڑی بات ہے ڈاکٹر۔اندھوں کا سہارا لاٹھی ہوتی ہے لیکن آپ تو اندھوں کی امید ہیں۔ لاٹھی چھن سکتی ہے مگر امید کوئی نہیں



چھین سکتا۔"

"اللہ کرے آپ کی امید بَر آئے۔"

"آپ تو شاید مجھے پگلی سمجھیں ڈاکٹر۔" نگہت نے جذباتی ہو کر کہا۔ "لیکن سچ کہتی ہوں ، آپ نے میری آنکھوں کو چھوا تو سارے جسم میں بجلی کی ایک لہر سی دوڑ گئی.......... ایسا محسوس ہوا.......... کہ میرے سینے میں روشنی کی کرن پھوٹ پڑی ہے اور یہ کرن پھیلتے پھیلتے میری آنکھوں میں اجالا بھر دے گی!"

ڈاکٹر نے تحمل سے کہا..........

"کوشش ضرور کی جاتی ہے مسز جمال' لیکن مجھے کمال فن کا دعویٰ نہیں ہے۔"

"مگر میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ کے ہاتھوں میں شفا ہے۔"

"شکریہ آپ کا۔ اچھا مسٹر جمال' اب ہم اجازت چاہیں گے۔ آج دس تاریخ ہے۔ سولہ کو ان کا اپریشن ہو گا۔ چھ دن میں ہم ان کی آنکھیں اپریشن کے لئے تیار کر لیں گے۔"

"بہت اچھا ڈاکٹر.........."

ڈاکٹر اور نرس چلے گئے۔ نگہت کے دل میں گدگدی ہو رہی تھی۔

"کتنا اچھا ڈاکٹر ہے۔ دن رات قینچی اور نشتر چلاتا ہے لیکن زبان سے امید کا رس پلاتا ہے۔"

"یہ دونوں باتیں اس کے پیشے کے لئے ضروری ہیں۔" جمال نے اسے ٹوکا۔

"لیکن تم بھی عجیب ہو۔ کیسی اوٹ پٹانگ باتیں لے بیٹھیں۔ کیا سوچتا ہو گا دل میں وہ؟"

"ہاں سچ..........!" وہ چونک کر بولی.......... "میں تو پاگل ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے۔"

"خیر آئندہ محتاط رہو۔ اب آرام کرو۔"

جمال باہر نکل گیا.......... تو نگہت نے مسکرا کر سلمٰی کو آواز دی۔

"سلمٰی کہاں چلی گئی تم............؟"

"جی............ میں یہیں ہوں۔"

"تم نے ڈاکٹر کو دیکھا سلمٰی............؟"

"ہاں بی بی جی............ دیکھا۔"

"کیسا ہے وہ' میرا مطلب ہے شکل و صورت کیسی ہے؟"

"نہایت وجیہہ' بے حد دلکش۔"

"بالکل اپنی باتوں کی طرح۔ اس کی آواز میں بھی جادو ہے سلمٰی۔"

"وہ سراپا تصویر ہے نگہت بی بی۔ میں نے زندگی میں ایسا خوبصورت مرد نہیں دیکھا۔"

"خیام سے بھی زیادہ خوبصورت ہے؟"

"آپ کا خیام بھی بہت خوبصورت ہے۔ دونوں تقریباً" ہم شکل ہیں۔"

"واقعی............؟" نگہت نے حیرت سے پوچھا۔

"میں تو خود دیکھ کر حیران ہو گئی تھی۔ شاید وہ دونوں بھی ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران ہوئے ہوں۔ اتنی مشابہت تو جڑواں بھائیوں میں نہیں ہوتی۔"

"عجیب اتفاق ہے............"

"قدرت کے کھیل نرالے ہیں............ آپ کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں تو بہت مشکل پڑے گی۔"

"یعنی پہچاننے میں۔" نگہت ہنس پڑی۔ "نہیں سلمٰی نہیں' خیام کو پہچاننے میں میری روح کبھی دھوکہ نہیں کھا سکتی............"

سلمٰی خوش تھی............ نگہت کی خیام سے گہری وابستگی میں اطمینان کا پہلو تھا............

نگہت بھی اس نئے انکشاف سے کچھ حیران اور کچھ خوشی محسوس کر رہی تھی۔



+

ڈاکٹر خیام دفتر میں سر جھکائے بیٹھا تھا اور ڈاکٹر کمال اپنی حیرت کا اظہار کر رہا تھا............

"حد ہو گئی ڈاکٹر' میں نے زندگی میں پہلی بار آپ کو اس کیفیت میں دیکھا ہے............"

"آئی ایم ویری سوری ڈاکٹر کمال' آئی ایم ویری سوری!"

"یہ میرا مسئلہ تھوڑا تھا ڈاکٹر' وہ ایک بیاہتا عورت ہے۔ اس کا شوہر کھڑا تھا۔ خود مس ممتاز حیرت زدہ تھی............"

"میں شرمندہ ہوں۔ میں خود حیران ہوں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے تھا............!"

"میں جانتا ہوں۔ لڑکی بہت حسین تھی۔ بہت معصوم تھی۔"

"بات حسن کی نہیں تھی ڈاکٹر کمال' بات کچھ اور تھی............ بات اس جنون کی تھی............ جو خرد کی دنیا میں نہیں آنا چاہیے تھی۔ جسے فرض کے راستے میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے تھا۔"

"یہی تو حیران کن بات تھی کہ آپ جیسا فرض شناس ڈاکٹر پٹڑی سے اتر گیا۔"

"میرا خیال ہے ڈاکٹر کمال' اس لڑکی کی ٹریٹ منٹ کی ذمہ داری تم اپنے ہاتھ میں لے لو۔ میں پھر کہیں بھٹک نہ جاؤں۔"

"مگر اپریشن تو آپ ہی کو کرنا پڑے گا۔ میرا ہاتھ ابھی کچا ہے۔ ایسی خوبصورت لڑکی کہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اندھی نہ ہو جائے؟"

"نہیں نہیں............!"

ڈاکٹر خیام نے چونک کر ڈاکٹر کمال کی طرف دیکھا............ "ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے !"

"اس لئے کہتا ہوں' آپ ضبط سے کام لیں۔ آپ کی شخصیت کی نفی نہیں ہونی چاہیے اور اس ہسپتال کی نیک نامی پر کوئی دھبہ نہیں لگنا چاہیے۔"

"ہاں............" اس نے اثبات میں سر ہلایا............ "میں کوشش کروں گا۔ میں پوری پوری کوشش کروں گا............!"

"اب آپ بنگلے چلے جائیں' آرام کیجئے۔ میں نرس بھیجتا ہوں' ٹیکہ لگوا لیجئے تاکہ آپ کے اعصاب کو سکون مل سکے۔"

ڈاکٹر خیام نے نرم دوستانہ نگاہوں سے ڈاکٹر کمال کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

✢

نگہت بے چینی سے جمال کا انتظار کر رہی تھی۔ جمال جونہی واپس آیا تو اس نے اشتیاق سے خوش آمدید کہا............

"آیئے آیئے' میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

"خیریت تو ہے............؟" جمال نے ہنس کر پوچھا۔

"آج میں بہت خوش ہوں۔ میں نے ایک خوبصورت خبر سنی ہے۔"

"ہم بھی تو سنیں۔" جمال اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"سلمیٰ نے بتایا۔ تم بہت خوبصورت ہو۔"

"زہے نصیب............!"

"اور یہ بھی کہ ڈاکٹر اور تم دونوں بالکل ہم شکل ہو............؟"

"ہاں' عجیب اتفاق ہے یہ بھی۔ ڈاکٹر مجھے اور میں ڈاکٹر کو دیکھ کر بہت حیران ہوا تھا۔"



"تم دونوں خوش نہیں ہوئے تھے............؟"

"پہلے حیران ہوئے پھر خوش ہوئے۔"

"اللہ کرے' میرا اپریشن کامیاب ہو۔ تم دونوں میرے سامنے ہو گے تو میرے لئے امتحان ہو گا۔"

"واقعی ہو گا تو امتحان ہی۔" جمال ہنس پڑا۔

"میں امتحان میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ میں آج تک کسی امتحان میں فیل نہیں ہوئی۔"

"میں بھی کسی امتحان میں فیل نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ زندگی میں بھی جو خواہش کی' پوری ہوئی۔ جو چاہا' پایا۔"

"ایک بات کہوں خیام............؟"

"کہو کہو............"

"مسلسل کامیابی حاصل کرنے والا آدمی جب ناکامی سے دوچار ہوتا ہے تو بالکل ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے............!"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو نگہت............؟" وہ ایک حد تک سنجیدہ ہو گیا۔

نگہت ہنس پڑی۔

"یہ میرا تجربہ نہیں' میں نے یہ فقرہ کسی کتاب میں پڑھا تھا۔ اچھا لگا تھا' سنا دیا۔"

"اچھا اب آرام کرو۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

جمال اٹھ کر چلا گیا............

نگہت کے ہونٹوں پر ایک عمیق مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بہت خوش تھی............

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ڈاکٹر خیام سو رہا تھا مگر سوتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر ایسا اضطراب تھا' گویا اس کی روح کسی سے ہمکلام ہو........... دراصل وہ بچپن کی منگیتر کو ایک بار پھر خواب میں دیکھ رہا تھا اور وہ مدھر گیت سن رہا تھا جو دونوں نے بچپن میں گایا تھا........... گاتے گاتے نگہت جوان ہو گئی تھی...........

اسی اضطرابی کیفیت میں ڈاکٹر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔
وہی کمرہ' وہی بستر' سب کچھ وہی تھا...........!

ہاں........... دور سے ایک مدھم' مدھر آواز آ رہی تھی یہ بچپن کا گیت تھا۔

خدا جانے' یہ گیت ڈاکٹر کے تحت الشعور سے ابھرتا تھا یا ڈاکٹر کی خود فراموشی اسے جنم دیتی تھی........... لیکن یہ واقعہ تھا کہ ڈاکٹر اس سحر میں گرفتار تھا........... بہت بری طرح جکڑا ہوا...........

اس اضطراری کیفیت میں اسے آج دن کا واقعہ یاد آ گیا کہ کس طرح مسز جمال کو دیکھ کر وہ تماشہ بن گیا تھا...........

یہ وہی روپ تھا۔ وہی چہرہ تھا' جس کے خواب وہ بچپن سے دیکھتا چلا آیا تھا۔ جسے وہ کئی بار خواب میں بھی دیکھ چکا تھا...........

اسے نگہت کے کہے ہوئے فقرے یاد آ گئے۔

"آپ تو شاید مجھے پگلی سمجھنے لگ جائیں ڈاکٹر' لیکن سچ کہتی ہوں۔ آپ نے میری آنکھوں کو چھوا تو میرے سارے جسم میں بجلی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے سینے میں روشنی کی کوئی کرن پھوٹ پڑی ہے اور یہ کرن پھیلتے پھیلتے میری آنکھوں میں اجالا بھر دے گی...........!

ڈاکٹر نے بے رحمی سے اپنے ہونٹ کاٹے اور غیر ارادی طور پر اٹھ کر باہر چلا



گیا...........

یہ اس کا وہم و گماں تھا یا حقیقت' مگر یہ دیکھ کر کہ جھولا دھیرے دھیرے جھول رہا ہے۔ ڈاکٹر حیران رہ گیا...........

جھولا خالی تھا مگر مدھم' مدھر سی آواز آ رہی تھی۔ وہی بچپن کا گیت...........!

ڈاکٹر بے اختیار چل پڑا!...........

جب وہ ہسپتال کے برآمدے میں پہنچا تو اسے احساس ہوا کہ یہ تو ہسپتال ہے...........

خود اس کا اپنا ہسپتال' ہسپتال کے اندر اس کے مریض ہیں جو اس کی پناہ میں ہیں۔ جن کی صحت' جن کی عزت اور جن کے وقار کا خیال و اقرار وہ اپنے ضمیر سے کر چکا ہے...........

وہ کانپ رہا تھا۔ شدید سردی میں بھی اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے مگر وہ مدھم' مدھر سی آواز' اس کے حواس پر اس طرح چھائی تھی........... کہ وہ کشاں کشاں اس طرف بڑھتا چلا گیا۔ جہاں اس کی تقدیر سو رہی تھی...........

اس آواز کے جادو نے ہر طاقت' ہر نشے اور زندگی کی ہر قدر کو لپیٹ میں لے لیا تھا!

یہ طلسمی کشش سیدھی اسے نگہت کے کمرے تک لے گئی...........!!

ڈاکٹر نے ڈرتے جھجکتے دروازہ کھولا........... مگر دروازہ کھلنے کی آواز سے جمال اور سلمٰی دونوں اپنی اپنی جگہ چونکے...........

ڈاکٹر کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا........... مگر نیم تاریک یا نیم روشن کمرے میں سوئی ہوئی نگہت کا خوبصورت چہرہ دیکھ کر وہ اور زیادہ دھڑکنے لگ گیا تھا...........

وہ چھوٹی چھوٹی سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید ردِ عمل تھا...........

وہ کافی دیر تک چپ چاپ کھڑا اس خوابیدہ حسن کو دیکھتا رہا..........

سلمٰی کو اس ردِ عمل کی پہلے ہی توقع تھی.......... جو کچھ ہوا' عین اس کی خواہش اور منشاء کے مطابق تھا..........

جمال کے دل میں بھی چور موجود تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دروازے کا کھٹکا سننے کے باوجود وہ فوری طور پر ادھر نہ آیا.......... بلکہ پردے کے پیچھے کھڑا ہو کر بے حد تردد اور تجسس سے اس صورتِ حال کو دیکھ رہا تھا..........

خصوصاً" ڈاکٹر خیام کی کیفیت اور شدید ردِ عمل نے اسے پریشان کر دیا تھا.......... اب وہ ساری باتیں ایک ایک کر کے سامنے آ رہی تھیں.......... ڈاکٹر کا نام ڈاکٹر کا آئی سپیشلسٹ ہونا' معائنے کے وقت' نگہت کا ڈاکٹر سے مکالمہ اور نگہت کی روحانی مسرت..........

اسے خاصا دھچکا پہنچ چکا تھا اور اس کا شک یقین میں بدلتا جا رہا تھا کہ در اصل نگہت اور ڈاکٹر میاں بیوی ہیں..........!

عجب خوف و وحشت اور عجب شوق و تمنا.......... ڈاکٹر دھیرے سے' ہولے سے' نگہت کے پلنگ پر بیٹھ گیا.......... ایک انوکھی مدہوشی کے عالم میں اس کا ہاتھ آگے بڑھا اور نگہت کے بکھرے ہوئے بالوں میں ڈوب گیا..........

سلمٰی دم بخود کھڑی تھی..........

جمال کا ردِ عمل بھی دیدنی تھا..........

ڈاکٹر کا ہاتھ بالوں کو سہلاتا ہوا' نگہت کی پیشانی تک آ گیا.......... ڈاکٹر کے ہونٹ شدت جذبات سے تھرتھرا رہے تھے مگر اس کے چہرے پر کرب کا تاثر باقی نہیں رہا تھا..........

اس نے بے حد پیار سے نگہت کا خوبصورت ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور سہلانے لگ گیا..........



جمال ہونٹ کاٹ رہا تھا اور حیرت و استعجاب سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا..........

سلمٰی دونوں کا تماشہ دیکھ رہی تھی..........

عین قریب تھا کہ ڈاکٹر بے اختیاری کے عالم میں نگہت کا ہاتھ اٹھا کر چوم لیتا نگہت چونکی..........

وہ اٹھ بیٹھی تھی..........

اس نے ڈاکٹر کا ہاتھ پکڑ لیا..........!

"کون ہو تم..........؟"

ڈاکٹر گھبرا کر کھڑا ہو گیا مگر بھاگنے کی کوشش نہ کی۔ نگہت چلائی۔

"بولتے کیوں نہیں' کون ہو تم..........؟"

مگر اس سے پہلے کہ ڈاکٹر کچھ کہتا' جمال لپک کر پہنچ گیا.......... ڈاکٹر نے جمال کو دیکھا تو اور گھبرا گیا.......... جمال اسے حیرت اور غصے سے دیکھ رہا تھا..........

نگہت نے غصے سے ڈاکٹر کا ہاتھ کھینچا..........

"میں پوچھتی ہوں کون ہو تم' بولتے کیوں نہیں..........؟"

ڈاکٹر نے جواب دینے کی بجائے جمال کی طرف دیکھا.......... یہی موقع تھا کہ جمال صورتِ حال کو سنبھالتا..........

"میں ہوں نگہت' جمال..........!"

"تم! جمال تم..........!!" نگہت نے غصے اور نفرت سے ڈاکٹر کا ہاتھ چھوڑ دیا..........

"ہاں بھئی میں ہوں۔ کہہ جو دیا میں ہوں۔"

"یوں چوری چھپے کیوں آئے تم..........؟"

"نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا' تمہیں دیکھ آؤں۔"

نگہت نے مایوسی اور بجھے دل سے کہا۔

"یہ تم اچھا نہیں کرتے خیام' میں تمہاری بیوی ہوں۔ تم چوروں کی طرح میرے کمرے میں کیوں آتے ہو.........؟"

"چوری نہیں بھئی' سردی زیادہ تھی۔ میں تمہیں دیکھنے چلا آیا۔"

ڈاکٹر پریشان کھڑا تھا......... نگہت نے اسی لہجے میں کہا۔

"میں اندھی ضرور ہوں' پر دودھ پیتی بچی نہیں ہوں۔ خیام' تم من کی بات زبان پر نہیں لاتے۔ کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھتی ؟"

تم جو کچھ سمجھ رہی ہو' بالکل غلط سمجھ رہی ہو۔"

"غلط سہی......... پر کوئی شوہر چوروں کی طرح بیوی کے کمرے میں نہیں آتا۔ تمہارے قدموں کی چاپ میں اس سے پہلے بھی سن چکی ہوں!"

"ارے جانے بھی دو ڈرالنگ۔" اس نے پیار سے نگہت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ "کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں.........؟"

نگہت جمال کے ٹھنڈے ہاتھ کو محسوس کر کے چونکی۔

"یہ کیا گورکھ دھندا ہے۔ تمہارے کتنے روپ ہیں۔ ابھی ابھی تمہارا ہاتھ کتنا گرم تھا اور اب برف کی طرح ٹھنڈا ہو گیا.........؟"

جمال نے اس صورتِ حال سے گھبرا کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا مگر اگلے لمحے سنبھلتے ہوئے ہنس کر بولا۔

"جب انسان کا کوئی عضو بے کار یا شل ہو جاتا ہے تو اس کی ساری قوتِ حس جسم کے دوسرے حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ یہی حال تمہارا ہے۔ پہلے میرا بایاں ہاتھ تمہارے ہاتھ میں تھا۔ اب دایاں ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس لئے گرم تھا کہ گاؤن کی جیب سے نکلا تھا اور یہ اس لئے ٹھنڈا ہے کہ جیب سے باہر ہے۔ اس میں بھلا اچنبھے کی کیا بات ہے.........؟"



نگہت مشکوک لہجے میں بولی.........

"پتہ نہیں' یہ سب خواب تو نہیں تھا۔ وہ ہاتھ اجنبی ہونے کے باوجود جانا بوجھا سا تھا اور یہ ہاتھ جانا بوجھا ہونے کے باوجود اجنبی لگا.........!"

ڈاکٹر کا دل دھک سے رہ گیا.........

جمال نے جھنجھلا کر کہا.........

"اب اس پاگل پن کا کیا علاج۔ بھلا سوچو' آدھی رات کو میرے سوا یہاں کون آ سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے خیام' ٹھیک ہے۔" وہ بھی جھنجھلا کر بولی......... "تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہاں اور کون آ سکتا ہے۔ ہسپتال میں مریضہ کے پاس ڈاکٹر کے سوا کون آ سکتا ہے مگر آدھی رات کو ڈاکٹر کا کیا کام۔ جاؤ تم جاؤ' جاؤ سو جاؤ.........!"

جمال نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا.........

ڈاکٹر خاموشی سے اس کے پیچھے نکل گیا۔

سلمٰی کے چہرے پر تجسس بھرا اطمینان تھا۔ وہ چپ چاپ تسلی سے بیٹھ گئی تھی۔

✣

ہسپتال کے برآمدے میں پہنچ کر جمال رک گیا......... ڈاکٹر بھی رک گیا......... جمال حقارت اور نفرت سے ڈاکٹر کو دیکھ رہا تھا......... ڈاکٹر میں آنکھ ملانے کی ہمت نہیں تھی۔ جمال کو اس کا یہ انداز بھی بُرا لگا.........

اس نے غصے میں تڑاخ سے ڈاکٹر کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا.........

ڈاکٹر نے زخمی پرندے کی طرح جمال کی طرف دیکھا.........

"مجھے افسوس ہے مسٹر جمال خیام' بہت افسوس ہے مجھے!" ڈاکٹر نے لرزتے

لہجے میں کہا۔

"آدھی رات کو میری بیوی کے کمرے میں آنے کی جرأت کیسے ہوئی تمہیں؟"

"میں معافی چاہتا ہوں جمال خیام صاحب۔" ڈاکٹر گڑگڑا کر بولا۔

"دو لفظوں کی معافی سے ایسے سنگین جرم کی تلافی ہو سکتی ہے ڈاکٹر..........؟"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں نادم ہوں' شرمندہ ہوں۔"

"ہم آنکھوں کا اپریشن کرانے آئے ہیں۔ غیرت کا اپریشن کرانے نہیں آئے ڈاکٹر۔"

"مجھے غلط نہ سمجھئے جمال خیام صاحب' جانے مجھے کیا ہو گیا۔ کونسی طاقت مجھے کھینچے لے آئی۔"

"اگر آپ اس طاقت کے سامنے بے بس ہیں تو ہمیں واپس جانے کی اجازت دے دیں۔"

"نہیں نہیں' آپ علاج کرائے بغیر نہیں جا سکتے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں' آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔"

جمال جواب دینے کی بجائے اسے نفرت و حقارت سے گھورتا رہا..........

ڈاکٹر اس کی آنکھوں کی تاب نہ لا کر گڑگڑایا..........

"مجھے اس طرح نہ دیکھئے۔ ایک تھپڑ اور مار دیجئے۔ اپنا غصہ نکال لیجئے۔"

"تم نہیں جانتے ڈاکٹر' تم نے مجھے کس روحانی اذیت سے دوچار کیا ہے۔"

"اور آپ بھی نہیں جانتے کہ میں خود کس اذیت سے گزر رہا ہوں۔ بس یہی کہ مجھے معاف کر دیں۔ میں شریف آدمی ہوں۔ میں اپنے اس رویئے کی ہر ممکن تلافی کروں گا.........."

"بس اب یہاں سے چلے جاؤ ڈاکٹر.........."



"ہاں..........!"

ڈاکٹر بھاری بھاری قدموں سے مڑا۔ اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ جمال اسے مجرمانہ نظروں سے گھور رہا تھا..........

سلمیٰ چپکے سے آ کر نگہت کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے پیار سے نگہت کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ نگہت چونکی۔

"سلمیٰ تم..........! سلمیٰ تم جاگ رہی ہو..........؟"

"جی بی بی جی' جاگ رہی ہوں۔"

"یہ کیا تماشہ تھا سلمیٰ' یہ کیا تماشہ تھا..........؟"

"جی..........!" سلمیٰ نے ضبط کرتے ہوئے "جی" پر ہی اکتفا کیا۔

"جو کچھ ہوا.......... تم نے دیکھا..........؟"

"جی دیکھا.......... بہت غور سے دیکھا..........!"

"تو بتاؤ نا' وہ خیام ہی تھا.......... کوئی اور نہیں تھا؟"

"جی.........."

مگر اس سے پہلے کہ وہ فقرہ مکمل کرتی' جمال اندر آ گیا۔ سلمیٰ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا..........

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ جاؤ اپنے کمرے میں سلمیٰ۔"

سلمیٰ اٹھ کھڑی ہوئی اور خاموشی سے چلی گئی۔ نگہت نے ذومعنی لہجے میں پوچھا۔

"اس بے چاری کو ڈانٹنے کی کیا ضرورت تھی..........؟"

"ڈانٹا کس نے' تم تو خوامخواہ بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہو۔"

"میں پوچھتی ہوں' یہ سب کیا تماشہ تھا.........؟"

"اوہو.........!" جمال نے ٹالنے کے انداز میں کہا......... "تم سے تو جان چھڑانا مشکل ہو جاتی ہے۔ بال کی کھال نکالتی ہو.........!!"

"میری بات کا جواب ملے تو چپ ہو جاؤں.........؟"

"تمہاری بات کا جواب یہ ہے کہ آرام سے سو جاؤ۔ اعصاب پر زور نہ ڈالو۔ اپریشن تک بالکل خالی الذہن ہو جاؤ........."

"تم اتنی دیر باہر کیوں رہے۔ کس سے باتیں کر رہے تھے؟"

"کسی سے نہیں' بس باتھ روم تک ضرور گیا تھا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو......... تم سے دو چار باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"اس وقت کوئی بات نہیں ہو گی' بس آرام سے لیٹ جاؤ۔ گڈ نائٹ!"

جمال جان چھڑاتے ہوئے چلا گیا......... نگہت نے بے بسی سے پلکیں جھپکائیں اور سوچوں میں ڈوب گئی.........

+

سلمیٰ اپنے کمرے میں کمبل اوڑھے سوچ رہی تھی۔ آج کے واقعے نے اسے منزل کے اور قریب کر دیا تھا.........

اچانک دروازہ کھلا......... سلمیٰ نے چونک کر جمال کو دیکھا......... اور گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ جمال نے آگے بڑھ کر ہولے سے مگر تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

"تم نے ڈاکٹر کو دیکھا تھا.........؟"

سلمیٰ ایک دو لمحے خاموش رہی۔ پھر اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"خبردار.........! نگہت سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ وہ وہمی لڑکی ہے' جانے کیا کیا سوچتی رہے........."



"اچھا........." اس نے دبے لہجے میں جواب دیا۔

جمال نے دروازہ کھولا اور خاموشی سے نکل گیا......... سلمیٰ اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئی......... اس کا شوہر' اس کا مجازی خدا' کس ڈھٹائی سے اپنی بیوی کی جگہ دوسرے کی بیوی کو اپنانے کا جال بچھا رہا تھا اور اس پر ذرا بھی خوف زدہ اور شرمندہ نہیں تھا۔

+

دوسرے دن ڈاکٹر کمال نے نگہت کی آنکھوں کا معائنہ کیا تو اس نے خوش ہو کر ڈاکٹر خیام کی طرف دیکھا۔

"بہتر' کل سے بہت بہتر۔ آپ بھی دیکھ لیں ایک نظر۔"

ڈاکٹر خیام نگہت کی آنکھوں کی طرف جھکا۔ جونہی اس نے نگہت کی آنکھ کے پپوٹے کو چھوا' نگہت نے چونک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا.........

"کس کا ہاتھ ہے یہ؟ رات بھی میں نے یہی ہاتھ پکڑا تھا!"

نرس' ڈاکٹر کمال' سلمیٰ اور جمال بیک وقت چونک اٹھے.........

ڈاکٹر خیام نے بے بسی سے جمال کی طرف دیکھا......... جمال نے ایک بار پھر سچوایشن کو سنبھالنے کی کوشش کی.........

"کیا کر رہی ہو نگہت' یہ ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ ہے۔ آپ کی آنکھوں کا معائنہ کر رہے ہیں!"

"اچھا.........!" وہ خوش ہو کر تسلی سے بولی۔ "تو یہ ڈاکٹر صاحب ہیں۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے اگر ڈاکٹر صاحب چند روز اسی طرح میری آنکھیں دیکھتے رہے تو اپریشن کے بغیر ہی روشن ہو جائیں گی.........!!!"

"یہ کیا کہہ رہی ہو.........؟" جمال نے چیں بجبیں ہو کر کہا۔

"پاگل ہو گئی ہوں..........!" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "چلئے میں نہیں بولتی' ڈاکٹر صاحب آپ معائنہ جاری رکھیں.......... اب میں کچھ نہیں بولوں گی۔"

ڈاکٹر نے اس کی آنکھوں میں دوائی ڈالی۔ روئی سے صاف کیا.......... اس سارے عمل میں نگہت کے چہرے پر ایک ملاکوتی احساس چھایا رہا..........

وہ بہت خوش تھی۔

سارے لوگ چلے گئے تو نگہت اسی کیفیت میں بولی۔

"سلمیٰ' چلا گیا ڈاکٹر..........؟"

"جی بی بی جی۔"

"بہت شوق ہے دیکھنے کا سلمیٰ اسے!" نگہت جذبے سے بولی۔

"اپنے سرتاج کو..........؟"

"وہ تو ہے سلمیٰ' میں ڈاکٹر کی بات کر رہی تھی۔"

"ڈاکٹر تو بے مثال آدمی ہے بی بی جی۔"

"شادی ہو گئی ہے اس کی..........؟" نگہت کے استفسار میں بھی وہی کیفیت تھی۔

"سنا ہے ہو گئی تھی' مگر بیوی بچھڑ گئی۔ بہت اداس رہتا ہے۔"

"بے چارا.......... مگر بیوی بچھڑ کیسے گئی..........؟"

"سنا ہے شادی کے بعد.........."

لیکن وہی ہوا۔ جمال عین اس لمحے واپس آ گیا۔ اس نے سلمیٰ کی بات کاٹی۔

"تم کیا ان کے دماغ میں فضول باتیں ٹھونستی رہتی ہو۔ جانتی نہیں' انہیں سکون کی ضرورت ہے۔"

نگہت نے اسے ٹوکا..........

"خیام' کیوں بے چاری کو حق ناحق ڈانٹتے ہو۔ جو پوچھتی ہوں' بتاتی ہے۔



سلمیٰ کی باتوں سے مجھے سکون ملتا ہے.........."

"اوہو..........!" جمال مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گیا..........

"عجیب لڑکی ہو تم بھی۔ جاؤ سلمیٰ تم' آج میں ان سے جی بھر کر باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

سلمیٰ چلی گئی تو نگہت نے کہا..........

"خیام' میں ڈاکٹر کے متعلق پوچھ رہی تھی سلمیٰ سے..........؟"

"کیا بتایا سلمیٰ نے..........؟"

"کیا بتایا بے چاری نے' بات چلی تو تم بلائے ناگہانی کی طرح وارد ہو گئے۔ کوئی ایٹم کا راز تو نہیں تھا اس میں۔"

"یہ بات نہیں جان' میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اپریشن سے پہلے تمہارے دل و دماغ پر کوئی بوجھ نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں تو بہت خوش ہوں اور جب سے ہسپتال آئی ہوں' واقعی بہت خوش ہوں۔ زیادہ سے زیادہ' یہی نا' ڈاکٹر کے متعلق پوچھا ہے۔ میرا معالج ہے۔ میرا محسن ہے۔ اس کے متعلق معلومات میں اضافہ ہو جائے تو کیا حرج ہے..........؟"

"ارے بھئی کیا پوچھنا ہے۔ میں بتاتا ہوں۔ آئی سرجن ہے.......... عام آدمی ہے۔ فیس لے کر علاج کرتا ہے۔ کوئی اور اہم خصوصیت نہیں رکھتا۔"

"مگر باتوں سے تو بہت اہم لگتا ہے۔ دل میں بیٹھ جانے والی باتیں کرتا ہے۔ روح میں اتر جانے والا سلوک کرتا ہے۔ پتہ نہیں تم اسے کیوں نہیں مانتے' میں نے تو اسے من کی آنکھوں سے محسوس کیا ہے..........!"

"کیا کہنے' تیری من کی آنکھوں کے۔" اس نے بات کو مذاق میں بدلنے کی کوشش کی۔

"کیوں' تم انسان کی چھٹی حس پر یقین نہیں رکھتے؟"

"سائنس والے چھٹی حس کو مسترد کر چکے ہیں۔ البتہ تمہاری ساتویں بلکہ آٹھویں حس بھی ماننے کو تیار ہوں............"

"پھر تو میں مافوق الطبع چیز ہوئی نا؟"

"کچھ اس سے بھی زیادہ۔"

"خیر جانے بھی دو مجھے انسان ہی رہنے دو۔ سلمیٰ کہاں گئی؟ آج وہ میرے بالوں کو شیمپو کرے گی۔"

"بھیجتا ہوں سلمیٰ کو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

سلمیٰ دونوں کی باتیں سن رہی تھی............ جمال کمرے میں آیا تو اس نے اٹھ کر سلام کیا۔ جمال نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، تم ڈاکٹر کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات رکھتی ہو............؟"

"جی............!" سلمیٰ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا............

"بہرحال تم پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ مجھے یقین ہے، تم یہ پسند نہیں کرو گی کہ ہم میاں بیوی کے درمیان ناچاقی پیدا ہو............!"

"جی میں سمجھی نہیں............!" سلمیٰ نے گھبرا کر پوچھا۔

"تم دیکھ رہی ہو سلمیٰ، وہ ڈاکٹر کی باتوں میں بہت دلچسپی لیتی ہے۔ رات کا واقعہ بھی تم نے آنکھوں سے دیکھا۔ خود ڈاکٹر بھی کئی بدحواسیاں کر چکا ہے۔ میں نہیں چاہتا، میرے اور نگہت کے درمیان کسی طرح کی بدگمانی پیدا ہو............"

"جی بالکل ٹھیک ہے۔"

"تو یہ طے ہے کہ تمہارے اور اس کے درمیان ڈاکٹر کا ذکر بالکل نہیں آئے گا۔ آئے گا تو تم اسے طول نہیں دو گی............"

"اگر آپ کو ڈاکٹر پر شک ہے تو آپ یہاں سے چلے کیوں نہیں جاتے۔"



"اس وقت یہ مناسب نہ ہو گا۔ نگہت خواہ مخواہ شک کرے گی۔ میں حالات کو بگاڑنا نہیں چاہتا۔"

"ایک بات عرض کروں............؟" سلمیٰ نے پہلی بار نگاہ اٹھا کر سوال کیا۔

"کیا............؟" جمال گھبرا گیا۔

"میں نے محسوس کیا ہے کہ نگہت اور آپ کے درمیان ایک بُعد کا احساس موجود ہے۔ خدانخواستہ، نگہت کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں تو اس احساس کی جڑیں اور زیادہ گہری نہ ہو جائیں............؟"

"نہیں، ایسا نہیں ہو گا۔ آخر وہ میری بیوی ہے۔ وہ کب تک مجھ سے اجتناب برت سکتی ہے۔"

"ایک خیال مجھے بار بار ستاتا ہے۔ جی چاہتا ہے، کسی وقت اس کا اظہار کر دوں؟"

"کیا کہنا چاہتی ہو تم............؟" جمال نے حیرت سے پوچھا............

"شاید آپ یقین نہ کریں............"

جمال چونک گیا تھا............ وہ چند لمحے چپ چاپ سلمیٰ کو دیکھتا رہا............

اچانک نگہت کی آواز آئی............

"سلمیٰ............!"

"جی............!" سلمیٰ نے جمال کی طرف دیکھا............

"تم جاؤ۔" وہ دبے لہجے میں بولا۔ "مجھے امید ہے، تم میرے جذبات کا خیال رکھو گی"۔

سلمیٰ نے اس پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی............ جمال گھبرا سا گیا............ سلمیٰ اپنے اضطراب کو دبائے چلی گئی............

نگہت کی آنکھوں کے معائنے کے بعد دونوں ڈاکٹر دفتر میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ڈاکٹر کمال نے چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر خیام' میں محسوس کرتا ہوں' جب سے یہ لڑکی ہسپتال میں داخل ہوئی ہے' آپ کی بے چینی اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔"

"ہاں ڈاکٹر کمال' زندگی میں یہ پہلا چانس ہے کہ فرض کے راستے میں میرے قدم لڑکھڑائے ہیں۔ مَیں نے جب سے اس لڑکی کو دیکھا ہے' عجب جنونی کیفیت میں مبتلا ہوں۔"

"صرف آپ ہی نہیں ڈاکٹر' اس لڑکی کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اس نے تو بن دیکھے آپ کی شخصیت کو محسوس کیا ہے۔"

"اسی احساس نے تو میری روح کو جھنجھوڑ ڈالا ہے۔ پہلے دن میں سمجھا تھا کہ صرف میں نے اسے محسوس کیا ہے مگر خود اس کا ردِ عمل دیکھ کر میری حیرت دو چند ہو گئی ہے!"

"بہت نفسیاتی کیس ہے۔"

"خدا کرے اس کی نظر ٹھیک ہو جائے۔"

"کہیں قیامت نہ ٹوٹ پڑے۔ ڈاکٹر خیام' بے حد احتیاط برتنا ہو گی۔"

لیکن ڈاکٹر خیام اپنے آپ میں ہوتا تو احتیاط برتتا۔

گھڑی کے پنڈولیم نے رات کے گیارہ بجنے کا اعلان کیا.......... تو ڈاکٹر اچانک چونکا.......... وہی آواز' وہی مدھم اور مدھر گیت اسے پکار رہا تھا..........

وہ سحر زدہ سا باہر نکلا.......... آج بھی خالی جُھولا جُھول رہا تھا.......... مگر ڈاکٹر گذشتہ رات کی طرح بے خود نہیں تھا.......... اسے اپنا عہد یاد تھا.......... وہ ہسپتال کی طرف جانے کی بجائے جھولے کی طرف بڑھا..........



جھولے کے قریب پہنچا تو اس نے محسوس کیا گویا متحرک جھولا اس کے استقبال کی خوشی میں رک گیا ہے..........

اس نے جھولے کے رسے کو دھیمی گرفت میں لیا.......... اور خود فراموشی کے عالم میں تختے پر بیٹھ گیا.......... اسے.......... لگا کہ سر اور سنگیت کی ایک نورانی لہر اس کے جسم اور روح میں سرایت کر گئی ہے..........

وہ مدھم اور مدھر گیت' جو اسے روح کی گہرائیوں میں سنائی دیتا تھا.......... اس کے ہونٹوں تک آ گیا.......... وہ گا رہا تھا..........!

ہسپتال دور نہیں تھا..........

نگہت اٹھ بیٹھی تھی..........

اس نے یہ گیت بچپن میں کئی بار سنا تھا..........

وہ حیرت و استعجاب سے یہ مدھر نغمہ سن رہی تھی۔ اس حیرت میں عجب سی شناسائی کا احساس بھی تھا.......... اور اس استعجاب میں قوسِ قزح کے انوکھے رنگ تھے..........

یہ ہسپتال کیا تھا.......... جادو نگری تھی.......... یہاں اس کی روح کیسے کیسے ذائقوں سے آشنا ہوئی تھی.......... ڈاکٹر کی باتوں کا سحر' ڈاکٹر کی انگلیوں میں پوشیدہ برقی رو۔ ڈاکٹر کے گرم گرم ہاتھ کی لرزش' اس لرزش کا روح کو چھو جانے والا آہنگ.......... اور مدھم مدھر سا گیت..........!

جو بچپن اور لڑکپن سے اس کی آتما میں رچا بسا تھا..........

یہی وہ گیت تھا' جس کے سننے کی آرزو اس نے جمال سے پہلے دن کی تھی اور جمال لاجواب ہو گیا تھا..........

تو پھر آج کون گا رہا تھا یہ گیت..........؟

جمال اور سلمیٰ نے بھی یہ گیت سنا.......... وہ اپنی اپنی جگہ پریشان تھے۔

نگہت سے نہ رہا گیا۔ اس نے سلمیٰ کو آواز دی......... سلمیٰ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی مگر جونہی کمرے سے باہر نکلی' جمال کو اپنے سامنے پایا.........

وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی......... جمال نے سرگوشی میں کہا.........

"اسے کچھ نہ بتانا' میں باہر جاتا ہوں۔ دیکھتا ہوں' کون گا رہا ہے؟"

"ڈاکٹر گا رہا ہے.........!" اس نے ہولے سے کہا۔

"تم کیسے جانتی ہو.........؟"

"میں جانتی ہوں.........!" اس نے اعتماد سے کہا۔

"تم نہیں جانتی۔" جمال نے غصہ دباتے ہوئے کہا۔ "تم اسے نہیں بتاؤ گی کہ ڈاکٹر گا رہا ہے!"

"سلمیٰ.........!" نگہت نے اسے پھر آواز دی.........

"جاؤ۔" جمال نے اسی لہجے میں کہا۔ "سمجھ گئی ہو نا' جو کچھ میں نے کہا.........؟"

"جی.........!"

سلمیٰ اپنے جذبات کو دباتے ہوئے نگہت کے پاس چلی گئی۔ نگہت نے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا.........

"سنو' یہ گیت سنو سلمیٰ۔"

"جی سن رہی ہوں۔"

"یہ گیت ہم بچپن میں گایا کرتے تھے۔ بھول گیا تھا خیام' شاید اسے یاد آ گیا ہے.........؟"

"جی.........!" سلمیٰ نے نگہت کی بے بسی کو محسوس کر کے دھیرے سے کہا۔

گیت جاری تھا.........



جمال چپکے سے ڈاکٹر کے سامنے کھڑا ہو گیا.........

ڈاکٹر چونک کر جھولے سے اٹھ کھڑا ہوا.........

"آپ.........!"

"بہت اچھا گاتے ہیں ڈاکٹر صاحب' اتنا اچھا کہ ہسپتال کے سارے مریض اٹھ کر آپ کا گانا سن رہے ہیں.........!"

"اوہ' ویری ساری مسٹر جمال خیام۔ اس کا مطلب ہے مجھے نہیں گانا چاہیے تھا۔"

"دراصل پروفیشن اختیار کرنے میں تھوڑی سی غلطی ہوئی آپ سے۔ آپ کو ڈاکٹر نہیں فنکار ہونا چاہیے تھا........."

"اگر میری وجہ سے آپ سب کو تکلیف ہوئی ہے تو معافی چاہتا ہوں۔"

"چھوڑیئے صاحب' معافی تو آپ پہلے بھی مانگ چکے ہیں۔" وہ ہنس کر بولا۔

"مگر یہ خوب ہے کہ آنکھوں کا ایک سپیشلسٹ رات کو گیارہ ساڑھے گیارہ بجے پیار کے گیت گاتا ہے اور لوگوں کو متوجہ کرتا ہے.........!"

"میری ہرگز یہ منشا نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے گڑگڑا کر تردید کی۔

"ڈاکٹر صاحب۔" جمال نے اس کی دکھتی رگ پر گویا انگلی رکھ کر کہا.........

"آپ تو بہت نیک نام آدمی ہیں۔ دور دور تک شہرت ہے آپ کی۔ کہیں ایسا تو نہیں نئے سائنس کا قاعدہ کلیہ ہو کہ اپریشن سے پہلے سرسنگیت سے اندھوں کو تقویت پہنچتی ہے؟"

"نہیں جمال خیام صاحب' آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں.........جہاں تک سُر سنگیت کا سوال ہے' وہ تو جانوروں کو بھی متاثر کرتا ہے......... میں تو خیر انسان ہوں۔ کبھی کبھار دل بہلا لیتا ہوں مگر آپ جس انداز میں بات کرتے ہیں مجھے لا جواب کر

دیتے ہیں!"

جمال ہنس پڑا.........

"معافی چاہتا ہوں ڈاکٹر صاحب' دراصل رات خاصی سرد ہے اور ہمیں آپ کی شدید ضرورت ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ایسی خنک رات میں آپ گرم بستر سے باہر رہیں۔"

"شکریہ آپ کا جمال خیام صاحب' بہت شکریہ اس عنایت کا۔"

"تو اجازت ہے اس توقع کے ساتھ کہ آپ نے میری آمد کو محسوس نہیں کیا ہو گا۔"

"نہیں جمال خیام صاحب نہیں' میں تو خود شرمندہ ہوں۔ آپ کو ناحق زحمت ہوئی۔"

"اچھا گڈ نائٹ ڈاکٹر۔"

"گڈ نائٹ........"

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف بڑھ کر ہاتھ ملایا.........

ڈاکٹر جو محجوب تھا' نادم تھا۔ سر جھکائے مڑا.........

جمال کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی......... وہ چند لمحے کھڑا ڈاکٹر کو جاتے دیکھتا رہا......... مگر ڈاکٹر نے مڑ کر نہ دیکھا......... اسے مایوسی ہوئی۔

خود وہ ڈاکٹر کی جگہ ہوتا تو پلٹ کر ضرور دیکھتا.........

پلٹ کر دیکھنے والے آدمی کے ضمیر پر تھوڑا بہت بوجھ ضرور ہوتا ہے!

## ۵

سلمیٰ نے جمال کی لگائی ہوئی پابندی کا پاس کیا.........

چاہنے کے باوجود وہ نگہت کے کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے سکی مگر نگہت اپنی



ترنگ میں تھی......... گیت کا سرور اس کے انگ انگ میں اتر گیا تھا.........

مسرت کا ان دیکھا فرشتہ اس سے سرگوشی کر رہا تھا.........

کوئی بہت قریب کھڑا اسے گدگدا رہا تھا.........!

اور پھر وہ دن بھی آگیا کہ ہس کا کامیاب اپریشن کر دیا گیا مگر پٹی کئی دن بعد کھلنی تھی......... یہ بیچ کا وقفہ بہت شاندار تھا.........

ڈاکٹر آتا تو وہ بچوں کی طرح کھل کھل اٹھتی تھی......... بس ایک جمال تھا کہ پیچ و تاب کھاتا رہتا تھا......... مگر مصلحت نے اسے خاموش کر دیا تھا.........

البتہ سلمیٰ کا معاملہ مختلف تھا......... منزل کبھی اسے بہت قریب دکھائی دیتی اور کبھی بہت دور.........!

تقدیر نے اسے ابھی تک وہ موقع فراہم نہیں کیا تھا......... کہ وہ آنکھ ملا کر بات کرتی اور اپنے حق کے لئے للکارتی.........

بہت سے مواقع خود پیدا ہوئے۔ بہت سے مواقع اس نے خود پیدا کئے مگر اُس لمحے نے ابھی جنم نہیں لیا تھا کہ اپنے شوہر کو شوہر کہہ سکے۔

جانے وہ کونسا نفسیاتی دباؤ تھا کہ حق کے حصول کا لمحہ منجمد ہو گیا تھا......... اور وہ گونگی ہو گئی تھی.........

آخر وہ دن بھی آگیا......... کہ نگہت کی آنکھوں کی پٹی کھل رہی تھی۔

دونوں ڈاکٹر' دونوں نرسیں اور جمال پر شوق اور متجسس نگاہوں سے نگہت کو دیکھ رہے تھے.........

"پٹی کھل گئی۔" ڈاکٹر خیام نے نرم لہجے میں کہا۔

"اب آپ آنکھیں کھول دیجئے۔ دھیرے دھیرے۔"

نگہت کے غلافی پپوٹے تھرک گئے.........

اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی.........

اس نے آہستے آہستے آنکھیں کھولیں.......... ایک دوبار پلکیں جھپکائیں..........

اس کے بالکل سامنے پائنتی کی طرف جمال کھڑا تھا..........

اوٹ فوکس میں اسے جمال نظر آ گیا.......... خوشی اور مسرت کی لہر اس کے چہرے پر دوڑ گئی.......... دو چار لمحوں بعد جمال کی دھندلی تصویر واضح ہو گئی.......... نگہت اسے صاف دیکھ رہی تھی..........

جمال دھڑکتے دل سے مسکرایا۔

نگہت خوشی سے چیخ پڑی..........

"مجھے نظر آ گیا ہے۔ مجھے نظر آ رہا ہے۔ مجھے نظر آ رہا ہے..........!"

اس نے چاروں طرف دیکھا..........

ڈاکٹر خیام اور جمال کی ملتی جلتی شکلیں دیکھ کر مسکرائی۔ وہ کبھی ایک کو اور کبھی دوسرے کو پر شوق مگر سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھی..........

یہی وہ موقع تھا کہ جمال کو صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہوا.......... وہ لپک کر آگے آ گیا۔

اس نے نگہت کو مبارک باد دی اور پھر ڈاکٹر سے ہاتھ ملایا..........

"مبارک ہو ڈاکٹر' بہت بہت مبارک ہو..........!"

ڈاکٹر کمال جو ڈاکٹر خیام کی گھبراہٹ کو محسوس کر رہا تھا بولا۔

"مبارک تو آپ دونوں کی ہے.........."

سلمٰی جو پردہ سٹینڈ کے پیچھے کھڑی تھی۔ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور اندرونی کشمکش کے زیرِ اثر ہونٹ کاٹ رہی تھی..........

نگہت جمال کے رویّے سے یہ تو جان گئی تھی کہ اس کا شوہر کون ہے.......... جمال کو دیکھ کر وہ مایوس بھی نہیں ہوئی تھی کیونکہ جمال کی شکل و صورت اس کے تصور کے عین مطابق تھی..........



مگر یہ ڈاکٹر.......... ڈاکٹر کی آنکھوں میں اتنی نرمی' اتنی ملائمت کیوں ہے؟

"عجیب اتفاق ہے۔" نگہت نے ایک بار پھر دونوں کو باری باری دیکھ کر کہا..........

"آپ دونوں کی شکلیں کتنی ملتی جلتی ہیں۔ جڑواں بھائیوں کی طرح مگر تم تو اکلوتے تھے' اپنے ماں باپ کے؟"

"بالکل اکلوتا.........." جمال نے ہنستے ہوئے کہا.......... "ڈاکٹر کو پہلی بار یہاں دیکھ کر خود مَیں بھی حیران ہوا تھا اور ڈاکٹر بھی بہت حیران ہوا تھا۔ کیوں ڈاکٹر..........؟"

"جی ہاں۔" ڈاکٹر بولا۔ "بس اتفاق ہے۔"

"اس کے باوجود میرے اور آپ کے دانتوں میں فرق ہے ڈاکٹر۔ میرے دانت آپ کی طرح خوبصورت نہیں ہیں۔"

"آنکھوں میں بھی فرق ہے۔" ڈاکٹر کمال نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ کی آنکھیں کالی ہیں اور ہمارے ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں نیلی ہیں۔"

"ہاں ہاں۔ یہ بھی کافی واضح فرق ہے۔" جمال ہنس پڑا۔

نگہت نے نگاہ اٹھا کر ڈاکٹر کی نیلی آنکھوں کی طرف دیکھا.......... ڈاکٹر گھبرا گیا۔

نگہت نے اب جمال کی طرف دیکھا۔ جس نے اپنی کالی آنکھوں کو کالی عینک کے نیچے چھپا رکھا تھا۔

وہ نگہت کی ہر ادا اور ہر نظر کو پہچان جاتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے بات کا رخ دوسری طرف کر دیا..........

"تم نے ابھی تک ڈاکٹر صاحب کا شکریہ بھی ادا نہیں کیا نگہت۔"

"ہاں ڈاکٹر ہم کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کریں.........."

"خوشی تو مجھے ہونا چاہیے کہ میری مریضہ کو آنکھیں ملی ہیں۔"

"واقعی آنکھیں بڑی نعمت ہیں ڈاکٹر صاحب۔ دو مہینے کی اندھی، لیکن ایسا لگتا ہے، جنم جنم کی تاریکی کا پردہ اٹھ گیا ہے.........!"

جمال کو نگہت کی یہ بات اچھی نہ لگی.........

"خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ ہمیں واپس جانے کی اجازت کب ملے گی ڈاکٹر........."

"بس، پانچ سات دن کی بات ہے لیکن ایک احتیاط بے حد ضروری ہے، فی الحال سورج کی طرف بالکل نہ دیکھئے گا........."

"چاند کی طرف بھی نہیں ڈاکٹر.........؟" نگہت نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

ڈاکٹر بھی ہنس پڑا۔

"کوئی مضائقہ نہیں مگر سردیوں کے ویران چاند کی طرف دیکھ کر آپ کیا محسوس کریں گی؟"

"چاند پھر بھی چاند ہے ڈاکٹر صاحب، سردیوں میں بھی اس کے سینے کے داغ، گرمیوں کی طرح روشن ہوتے ہیں۔"

جمال نے بظاہر ہنستے ہوئے پھر مداخلت کی.........

"نظر ملتے ہی تم نے شاعری شروع کر دی........."

"آج بھی شاعری نہ کروں۔ آج تو پوری غزل کہنے کا دن ہے۔ کیوں ڈاکٹر صاحب؟"

"ضرور کہیئے گا......... اب ہمیں اجازت دیجئے۔ نرس پابندی سے دوائی ڈال جایا کرے گی۔ ہاں کالی عینک پہنے رکھیے گا۔"

"ان کی طرح.........؟" نگہت نے مسکراتے ہوئے جمال کی طرف اشارہ کیا.........

"فی الحال ان کی تقلید کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔"



"اچھا ڈاکٹر صاحب، آپ کا حکم سر آنکھوں پر!"

"اچھا آداب عرض۔"

ڈاکٹر بمع سٹاف کے چلا گیا جمال بھی ساتھ نکل گیا۔ سلمٰی لپک کر آ گئی۔

"مبارک ہو بی بی جی، مبارک ہو۔"

"اوہ، تمہیں بھی مبارک ہو سلمٰی، آؤ میرے گلے لگ جاؤ۔ کتنی پیاری شکل ہے تمہاری۔"

سلمٰی اس کے گلے لگ گئی۔ خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے.........

نگہت نے اس کے آنسو پونچھے.........

"نہ رو سلمٰی تم نہیں جانتیں، میرے لئے تم کتنی اہم ہو........."

"کون اہم ہے۔" جمال ہنستا ہوا اندر آ گیا......... "واہ، تم تو اس کے آنسو پونچھ رہی ہو۔ بڑی خوش قسمت ہے سلمٰی........."

سلمٰی نے سرخ سرخ آنکھوں سے جمال کی طرف دیکھا......... جمال اس سے آنکھ نہ ملا سکا......... مگر وہ گفتگو کا رخ بدلنے میں ماہر تھا۔ ہنس کر بولا۔

"دنیا میں جذباتی بے وقوفوں کی کوئی کمی نہیں، خصوصاً عورتیں تو بالکل نہیں جانتیں کہ زندگی کے لئے کیا چیز اہم ہوتی ہے اور زندہ رہنے کے اصول کیا ہیں.........؟"

"بتا دیجئے لگے ہاتھوں۔"

"پہلا اصول یہ کہ، دولت حاصل کرو۔"

"جائز یا ناجائز.........؟"

"جیسے بھی ملے۔" وہ ہنس پڑا۔

"دوسرا اصول.........؟"

"خوبصورت عورت کا حصول.........!"

"دولت سے یا محبت سے؟"

"جیسے بھی ملے......... حاصل کرو۔ جنگ اور محبت میں سب جائز' تم نے تاریخ نہیں پڑھی۔ اقتدار کے لیے بادشاہوں نے بیٹے' بھائی اور باپ تک کو پاؤں تلے روند ڈالا......... اور عورت کے لئے تاج و تخت ٹھکرا دیئے۔"

"خیام' خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے تم سے خوف آ رہا ہے!"

جمال ہنس پڑا.........

"مشرقی لڑکی ہو۔ مشرق کے کچے جذبات میں پروان چڑھی ہو۔ تمہیں ایک باخبر آدمی کے خیالات سن کر ضرور اچنبھا ہونا چاہیے تھا........."

"تم اپنے آپ کو باخبر کہتے ہو۔ تم نے مغرب میں یہی سیکھا ہے خیام کہ دوسروں کا حق چھین لو۔ دوسروں کے جذبات کو پاؤں تلے روند ڈالو کہ اس طرح تمہارے جذبات کی تکمیل ہو.........؟"

"ارے نگہو' میں اپنی بات نہیں کر رہا۔ آج کی دنیا میں زندہ رہنے کا اصول بتا رہا تھا........."

"نہیں......... اسے اصول مت کہو۔ اصول کو اتنی حقیر چیز مت بناؤ۔ میں ان اصولوں کے ساتھ ایک لمحہ بھی زندہ رہنا پسند نہیں کروں گی.........!"

"تم تو بگڑ بیٹھیں۔ جانے بھی دو غصہ' آنکھوں پر بوجھ پڑے گا۔ سلمٰی چائے بناؤ ہماری دلہن کے لئے........."

"اچھا جی۔" سلمٰی خاموشی سے چلی گئی.........

جمال نے مسکرا کر نگہت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا......... نگہت اسے خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی.........

X



دوسرے دن شام کو نگہت' سلمٰی کے ساتھ ہسپتال کے لان میں گھوم رہی تھی......... وہ ایک نیم کھلے سرخ گلاب کی پتیوں میں محو تھی.........

معاً" اس نے بچپن کا وہی مدھم' مدھر گیت سنا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا.........

سلمٰی کے ہونٹوں پر ذو معنی تبسم بکھر گیا.........

نگہت نے بے اختیارانہ ایک قدم اٹھایا.........

پھر دوسرا.........

پھر تیسرا.........!

آواز اسے اس طرح کھینچے جا رہی تھی' جیسے مقناطیس لوہے کو.........!!

سلمٰی خاموش کھڑی تھی......... نہ روکا' نہ کچھ بولی......... خود وہ بھی سحر زدہ سی ہو گئی تھی۔

جمال یہ گیت پہلے بھی سن چکا تھا۔ حیران و پریشان باہر نکل آیا......... وہ نگہت کو جاتا ہوا دیکھ رہا تھا......... اس نے سلمٰی کو بھی دیکھا کہ بت بنی کھڑی ہے.........

ڈاکٹر جھولے کے پاس کھڑا تھا.........

دنیا و مافیہا سے بے خبر' آنکھیں بند کئے ہوئے.........

اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے ہل رہے تھے.........

جیسے گا نہ رہا ہو، عبادت کر رہا ہو.........!

مضطرب نگہت خاموشی سے اس کے سامنے کھڑی ہو گئی.........

ہسپتال اور ڈاکٹر کی کوٹھی میں فاصلہ زیادہ نہیں تھا......... جمال غصے مگر ضبط سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا.........

گیت میں ایسا جادو تھا' نگہت سب کچھ بھول گئی......... وہ ڈاکٹر کی طرف کھچتی چلی گئی' بڑھتی چلی گئی......... گیت ختم نہیں ہوا تھا، نگہت سب کچھ ہار چکی تھی۔

اسے کوئی ہوش نہیں تھا......... وہ بے اختیار ڈاکٹر سے لپٹ گئی.........!

ڈاکٹر نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ نگہت کو اس کیفیت میں دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔

"آپ.........!" اس نے بے یقینی مگر ڈوبے لہجے میں کہا۔

نگہت اضطراری کیفیت میں کانپ رہی تھی......... اس کے ہونٹ لرز رہے تھے......... وہ چھوٹی چھوٹی سانسیں لے رہی تھی.........

وہ ڈاکٹر کو کوئی جواب نہ دے سکی.........

ڈاکٹر نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے الگ کیا......... دونوں نے شدید ردِعمل کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھا.........

"یہ گیت آپ کو پسند ہے.........؟" ڈاکٹر نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

نگہت گھبرائی ہوئی تھی مگر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا.........

"تو آیئے۔ ادھر جھولے پر بیٹھیے۔ میں آپ کو یہ گیت پھر سناتا ہوں۔!"

---

"سلمیٰ.........!"

سلمیٰ جو کھوئی ہوئی کھڑی تھی۔ جمال کی آواز پر چونکی۔

"جاؤ۔ نگہت کو لے آؤ......... جلدی!"

"جی.........!" سلمیٰ تیزی سے بنگلے کی طرف بڑھی۔

۵

نگہت سحر زدہ قدموں سے جھولے کے پاس پہنچی......... اس نے اس پیار اور نرمی سے جھولے کے تختے اور رسیوں پر ہاتھ پھیرا، جیسے ننھے منے بچے کو سہلا رہی



ہو......... وہ ایک عجب عالم خود فراموشی میں جھولے پر بیٹھ گئی.........

جونہی ڈاکٹر نے گیت کا آغاز کیا......... سلمیٰ گھونگھٹ لئے پہنچ گئی۔

"بی بی جی.........!"

ڈاکٹر اور نگہت دونوں نے چونک کر دیکھا......... ڈاکٹر اسے گھونگھٹ کی وجہ سے پہچان نہ سکا مگر نگہت کا خواب ٹوٹ گیا......... وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"صاحب آپ کو بلا رہے ہیں' جلدی!"

نگہت نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ بے رحمی سے ہونٹ کاٹے اور پھر بد حواسی کے عالم میں بھاگ کھڑی ہوئی.........

سلمیٰ بھی دبے پاؤں چل دی۔

ڈاکٹر حیران و پریشان کھڑا دیکھتا رہ گیا......... اسے سمجھ نہ آئی۔ یہ خواب تھا یا حقیقت.........؟

افسانہ تھا یا زندگی.........؟

وہ مضطرب اور بد حواس کھڑا تھا......... اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر پڑے۔

❖

نگہت کٹی ہوئی ڈالی کی طرح پلنگ پر گر پڑی۔

جمال چپکے سے اندر آگیا......... وہ اوندھے منہ پڑی سسکیاں اور ہچکیاں لے رہی تھی.........

جمال چند لمحے کھڑا نگہت کی اس کیفیت پر غور کرتا رہا......... پھر خاموشی سے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اس نے نگہت کے شانے پر ہاتھ رکھا.........

"نگہت.........!" وہ ہولے سے بولا۔

نگہت نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا.........

"چلے جائیے آپ چلے جائیے۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ چلے جائیے!"

"اچھا، تم آرام کرو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں اسی لئے آیا تھا کہ کسی وقت ڈاکٹر کو چائے پر بلائیں۔ فیس کے علاوہ میں اسے کچھ تحائف پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو بلا لیجئے۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" وہ غصے سے بولی۔

"اعتراض کی کیا بات ہے، ہمیں تو خوشی ہو گی۔ آخر تمہیں آنکھیں دی ہیں اس نے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"پوچھنا یہ تھا، اسے تحفے میں کیا کیا دیا جائے.........؟"

نگہت نے سر اٹھا کر غصے سے دیکھا.........

"یہ باتیں کل بھی ہو سکتی ہیں۔ کہہ دیا ہے، مجھے اس وقت تنہائی چاہیے۔"

"اچھا آرام کرو......... گڈ نائٹ.........!"

جونہی جمال چلا گیا۔ دوسرے دروازے سے سلمیٰ اندر آ گئی۔ اس نے روتی ہوئی نگہت کا سر اپنی گود میں لے لیا......... نگہت نے اسے ایک نظر دیکھا۔ پھر چھوٹے بچوں کی طرح سر اس کی گود میں رکھ کر زارو قطار رونے لگی۔

سلمیٰ نے اسے چوم لیا.........

"آپ پریشان نہ ہوں۔ دماغ پر زیادہ بوجھ پڑنے سے بینائی پر اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔"

"سمجھ نہیں آتی سلمیٰ، آنکھوں کی روشنی تو میرے لئے تاریکی بنتی جا رہی ہے۔"

"چھوٹا منہ بڑی بات، شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں؟"

"تم.........؟ نہیں! تم میری مدد نہیں کر سکتیں۔ کوئی بھی میری مدد نہیں کر



سکتا۔ مقدر روٹھ گیا ہے۔ قسمت پھوٹ گئی ہے میری۔"

سلمیٰ نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر سرگوشی میں بولی۔

"میں آپ کے شوہر کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں!"

اسی لمحے دروازہ کھلا اور جمال اندر آ گیا.........

"آرام کرنے دو انہیں۔ جاؤ اپنے کمرے میں سو جاؤ تم۔"

سلمیٰ نے ایک نظر جمال کو دیکھا اور پھر خاموشی سے چلی گئی.........

نگہت نے جمال کی طرف دیکھا.........

"آپ بھی سو جائیں اور پہرہ نہ دیں میرے کمرے کے باہر۔"

جمال تلملا اٹھا......... مگر جبر کر کے غصہ پی گیا اور خاموشی سے چلا گیا.........

نگہت کی حالت عجیب تھی......... یہ ایسا نازک مقام تھا کہ نہ اپنے احساس کو کچل سکتی تھی اور نہ کچھ کہنے کا یارا تھا......... وہ شخص جو اس کا شوہر تھا، محض معالج بن کر رہ گیا تھا اور وہ شخص جو بالکل اجنبی تھا، کس ڈھٹائی سے اپنا حق جتا رہا تھا اور اسی کو بیچ جان رہا تھا.........!

❖

ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا مگر ڈاکٹر کمال کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے انگڑائی لے کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسے کھڑکی میں سے نظر آیا، شگفتہ چائے لا رہی تھی.........

ڈاکٹر کمال ذومعنی انداز میں مسکرایا......... شگفتہ دروازے پر پہنچی تو اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اس انداز سے مکالمے کی ابتداء کی، گویا کوئی حسین خواب دیکھ رہا ہو.........

"شگفتہ، سکول کے زمانے سے لے کر اب تک جب کہ میری عمر تیس اور دو

بتیس برس کی ہو چکی ہے، ایک ہزار ایک سو پانچ لڑکیوں نے میری محبت کا دم بھرا ہے......... تم نہیں جانتی شگفتہ.........!!"

اس کا لہجہ بے حد رومانٹک ہو گیا.........

"ان میں سے پانچ نے خود کشی کر لی۔ پچاس نے خود کشی کی کوشش کی اور پچاس آہیں بھرتی رہیں اور باقی ایک ہزار کو تو میں نے لفٹ ہی نہ دی!"

شگفتہ جو پہلے حیران ہو رہی تھی، مسکرا پڑی۔ ڈاکٹر کا مکالمہ جاری تھا۔

"لیکن جب سے تم اس ہسپتال میں آئی ہو شگفتہ، میری زندگی اور زیادہ شگفتہ ہو گئی ہے۔ شاید تم پہلی اور آخری لڑکی ہو، جسے میں نے زندگی کا ساتھی چننے کا شرف بخشا ہے۔ مبارک ہو شگفتہ، مبارک ہو.........!"

شگفتہ نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا.........

"ڈاکٹر......... ڈاکٹر۔"

ڈاکٹر کمال ہڑبڑا کر اٹھا.........

"کیا بات ہے؟ کیوں جگا دیا ہمیں؟ کیوں ہماری مٹی پلید کی.........؟"

"ڈاکٹر صبح ہو گئی ہے۔ چائے لائی ہوں۔"

"اوہ.........!" ڈاکٹر نے انگڑائی لیتے ہوئے خاص انداز سے شگفتہ کی طرف دیکھا۔ "چائے لائی ہو شگفتہ........." اس نے پیالی شگفتہ کے ہاتھ سے لے لی۔

"آہ.........! کتنا مدھ بھرا سپنا دیکھا شگفتہ، کتنا مدھ بھرا۔"

"کیا سپنا دیکھا ڈاکٹر.........؟" شگفتہ نے شرارت سے پوچھا۔

"شرم آتی ہے شگفتہ۔" اس نے بظاہر شرماتے ہوئے کہا۔ "بس تم خود ہی سمجھ لو۔"

"میں کیا سمجھوں، میں کوئی نجومی ہوں۔"

"چلو بتا دیں گے مگر مس ممتاز سے نہ کہنا، پرائیویٹ معاملہ ہے نا۔"



"پرائیویٹ معاملہ.........؟" شگفتہ نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

ڈاکٹر کمال مسکرایا اور شرارت سے اس کا ایک رخسار چھیڑا.........

"آج شاپنگ ہو جائے۔ ٹھیک رہے گا نا.........؟"

شگفتہ نے نفی میں سر ہلایا اور بھاگ گئی۔

ڈاکٹر کمال مسکرایا۔ اسے بھاگتا ہوا دیکھتا رہا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کام بن جائے گا، لڑکی بری نہیں.........!"

❖

جمال سو رہا تھا......... سلمیٰ نے پھولوں کا ایک تازہ گلدستہ اس کے پاؤں میں رکھا......... ٹھنڈے پھولوں کے لمس سے جمال کی آنکھ کھل گئی......... سلمیٰ تیزی سے پائنتی کی طرف چھپ گئی۔

جمال نے پاؤں کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے گلدستہ اٹھا لیا......... خوش ہو کر دائیں بائیں دیکھا۔ اسے کھڑکی میں سے نگہت نظر آ گئی......... جو ہسپتال کے باغیچے میں پھول چن رہی تھی.........

"ہاں.........!" وہ خوش ہو کر اپنے آپ سے بولا......... "آخر تم نے اپنا دل میرے قدموں میں رکھ دیا۔ زندگی کے کسی دوراہے پر آ کر انسان اپنی شکست قبول کر لیتا ہے۔ قفس میں آیا ہوا پنچھی چند دن پھڑکتا ہے۔ دھیرے دھیرے پنجرے کے آہنی تنکوں سے مانوس ہو جاتا ہے اور اسے آشیانہ سمجھ کر زندگی کی مجبوریوں سے سمجھوتہ کر لیتا ہے.........!!!"

وہ مسکراتے ہوئے اٹھا۔ پھول گلدان میں سجائے۔ گاؤن پہنا اور خوشی خوشی باہر نکل گیا.........

سلمیٰ نے یہ سب کچھ سنا، سب کچھ دیکھا......... وہ ہونٹ کاٹتی ہوئی پائنتی

سے نکل آئی............

اس کی مجبوری بھی عجیب تھی............ وہ نگہت کی مدد کرنا چاہتی تھی............ اس میں اس کا اپنا بھی بھلا تھا مگر وہ حالات کو یکسر بگاڑنا بھی نہیں چاہتی تھی............

یہی وجہ تھی کہ سامنا کرنے سے کترا رہی تھی۔

وہ جانتی تھی............ کہ اچانک انکشاف سے اس کا شوہر بدک جائے گا............ اور صورتِ حال بگڑ جائے گی............ اس لئے وہ اپنے آپ پر جبر کر رہی تھی اور صبر سے کام لے رہی تھی............

نگہت پھول چن رہی تھی............

جمال خوش خوش اس کے پاس پہنچا............

"آج میں بہت خوش ہوں نگہت' بہت خوش۔"

نگہت نے اسے ایک نظر دیکھا............ اور پھر سے پھول چننے لگ گئی............

"غالباً" اس لئے کہ میں اپنے ہاتھوں سے پھول چن رہی ہوں............؟"

"اور اس لئے بھی کہ آج میں نے اپنے قدموں میں پھول دیکھے ہیں۔"

"شاید سپنا دیکھنے کے بعد سیدھا میرے پاس آ رہے ہو............؟"

"سپنے کی تعبیر جو یہاں تھی۔"

"سپنے کی تعبیر ہمیشہ الٹ نکلتی ہے۔"

"لیکن صبح تڑکے کے سپنے ہمیشہ سچ نکلتے ہیں۔"

نگہت ایک سفید گلاب توڑ کر بولی............

"جو بو کر کوئی گندم نہیں کاٹ سکتا............!"

جمال چونکا............

"میں خواب کی بات کر رہا تھا نگہت۔"



"میں کھلی آنکھوں کی بات کر رہی ہوں۔"

"کیا سمجھوں............؟"

"کیا سمجھاؤں............!؟"

"من کی بات............"

نگہت نے آنکھیں اٹھا کر اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں............

"اب تو اندھی نہیں ہوں............ آنکھوں میں جھانک لیجئے۔ من کی بات تو آنکھ کی پتلی میں بیٹھی رہتی ہے۔"

"تمہاری آنکھیں اتنی خوبصورت ہیں کہ آنکھ ملانے کی تاب نہیں رکھتا۔ ہمت نہیں پڑتی۔ من کی بات کیسے پاؤں۔"

اس نے ایک اور پھول توڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"اپنی بیوی سے آنکھ نہیں ملا سکتے۔ کیسے مرد ہو............؟"

وہ ہنس پڑا............

"مرد تو ایسا ہوں کہ ہر آزمائش میں پار اتروں لیکن تم سے مرعوب ہوں۔ پیار کرتا ہوں' بے بس ہوں۔ خاموش ہوں............!"

نگہت ہنس پڑی............

"ٹھیک کہتے ہو۔ کسی حد تک ٹھیک کہتے ہو............!"

جمال نے آسمان کی طرف دیکھا............

"سورج طلوع ہونے والا ہے چلو اندر چلیں۔"

"اب باہر کی کھلی فضاء میں نکلنے کے لئے رات کے چاند کا انتظار کرنا پڑے گا۔ چلو چلیں............"

دونوں چل پڑے۔ جمال نے بات آگے بڑھائی............

"آج چار بجے ڈاکٹر کو چائے پر بلایا ہے............ کچھ تحفوں کے متعلق سوچا تم

نے؟"

"جانے اسے کیا پسند ہے۔ میں تو یہ گلدستہ اس کی خدمت میں پیش کروں گی۔
کتنی ڈالیوں کو یتیم چھوڑ کر میں نے یہ پھول چنے ہیں..........!"

نکہت آگے نکل گئی..........

جمال اسے طنزیہ اور ذو معنی نظروں سے دیکھتا رہا.......... اس کے ہونٹوں پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی..........

❖

چار بج چکے تھے.......... دونوں ڈاکٹر کاریڈور میں داخل ہوئے.......... جمال نے آگے بڑھ کر خوش آمدید کہا.......... تینوں چائے کی میز پر پہنچے.......... سامنے کا دروازہ کھلا.......... نکہت نے اندر آتے ہوئے سلام کیا..........

سارے کرسیوں پر بیٹھ گئے تو سلمٰی گھونگھٹ لئے چائے کی ٹرے اٹھائے آ گئی.......... اس نے ٹرے میز پر رکھ دی..........

جمال نے موقع مناسب جان کر کہا..........

"ڈاکٹر صاحب' جب تک چائے بنتی ہے' آپ ایک منٹ کے لئے یہاں تشریف لائیے۔ میری مسز نے آپ کے لئے کچھ تحفے خریدے ہیں۔"

"ڈاکٹر نے دوسری میز کی طرف دیکھا.........."

"اس کی کیا ضرورت تھی مسز جمال۔"

"ضرورت کیوں نہیں تھی۔" جمال اٹھا.......... "آخر اس میں حرج کیا ہے۔ ہم کسی نہ کسی طرح اپنی خوشی کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ آیئے نا۔"

ڈاکٹر خیام مسکرا کر کرسی سے اٹھا..........

"آپ بھی آیئے نا ڈاکٹر کمال۔"



"ہاں ہاں' ڈاکٹر کمال آ جائیں آپ بھی۔"

چاروں دوسری میز کی طرف بڑھے تو جمال نے آہستہ سے سلمٰی سے کہا۔

"تم چائے بناؤ.........."

نکہت نے اشتیاق سے پھولوں کا گلدستہ اٹھا کر ڈاکٹر کی طرف بڑھایا۔

"سچ پوچھیے ڈاکٹر صاحب' میں تو آپ کے لئے کچھ بھی نہ خرید سکی۔ آپ نے منع کیا تھا' سورج کی طرف نہ دیکھنا' اس لئے باہر نہ جا سکی اور سورج نکلنے سے پہلے آپ کے لئے یہ پھول چن سکی..........!"

ڈاکٹر نے کانپتے ہاتھوں سے گلدستہ لے لیا۔

"اس سے زیادہ نازک تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے مسز جمال۔"

"آپ کی مہربانیوں کے مقابلے میں یہ بہت حقیر تحفہ ہے ڈاکٹر صاحب' لیکن میرے بس میں یہی تھا کہ یہ اندھے پھول میری بینائی کا شکریہ ادا کریں۔"

ڈاکٹر ہنس پڑا..........

"پھول اندھے ہوتے ہیں۔ یہ بات آپ نے انوکھی کہی۔"

"پھول اندھے نہ ہوتے تو کاٹنے والے کی انگلیاں نہ کاٹ ڈالتے ڈاکٹر صاحب۔"

"مگر پھول کے کانٹے' کاٹنے والے کی انگلیاں چھلنی کر دیتے ہیں۔"

"صرف چھلنی کر دینا انسان کے لئے بہت کم سزا ہے ڈاکٹر صاحب' اتنی چھوٹی سزا سے پھول اپنے جیون کی حفاظت نہیں کر سکتا.........."

جمال مکاری سے ہنس پڑا..........

"کیا بحث لے بیٹھیں تم' ڈاکٹر صاحب کو تحفے دکھاؤ۔"

"ہاں.........." وہ مسکرا پڑی۔ "لیجئے۔ یہ گھڑی ہے یقیناً قیمتی ہو گی۔"

"شکریہ.........."

"یہ چین ہے۔ امپورٹڈ ہے۔"

اس لمحے جمال اچانک چونکا۔ اس نے سلمیٰ کی طرف دیکھ کر کہا..........

"ٹھہرو۔ کیک میں خود کاٹوں گا۔"

وہ تیزی سے میز پر پہنچ گیا۔ چھری ہاتھوں میں اٹھائی اور سلمیٰ سے بولا۔

"تم جاؤ۔"

سلمیٰ خاموشی سے چلی گئی تو اس نے نظریں بچا کر ڈاکٹر کی پیالی میں زہر ڈال دیا۔ سلمیٰ جو ایک گوشے میں رک گئی تھی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

نگہت نے ایک لفافہ ڈاکٹر کی طرف بڑھایا..........

"یہ آپ کی فیس ہے غالباً" پانچ ہزار روپیہ..........!"

"پانچ ہزار روپیہ..........!" ڈاکٹر حیرت سے بولا.......... "اتنی بڑی فیس تو میں نے کبھی نہیں لی۔"

جمال کیک کاٹتے ہوئے بولا۔

"میری بیوی کی آنکھوں کے مقابلے میں یہ فیس بہت کم ہے ڈاکٹر، بہت ہی کم!"

"شکریہ جمال خیام صاحب، بہت بہت شکریہ۔"

"آیئے چائے تیار ہے۔"

تینوں چائے کی میز پر واپس آ گئے.......... اور اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے..........

سلمیٰ کا سانس رک رک گیا..........

جونہی ڈاکٹر نے پیالی اٹھائی.......... سلمیٰ تیزی سے آگے بڑھی۔ پیالی ڈاکٹر کے ہونٹوں تک پہنچی ہی تھی کہ سلمیٰ چیختی ہوئی ڈاکٹر پر گر پڑی..........

پیالی ڈاکٹر کے ہاتھ سے گر پڑی اور فرش سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔



ڈاکٹر کے کپڑے خراب ہو گئے۔ جمال بے طرح چیخا..........

"کیا بدتمیز عورت ہو۔ ایڈی ایٹ!"

"کیا ہوا سلمیٰ..........؟" نگہت نے حیرت سے پوچھا..........

"سانپ بی بی جی سانپ..........!"

ڈاکٹر خیام نے سلمیٰ کو دیکھا۔ تو حیران رہ گیا..........

سلمیٰ سہمی ہوئی کسی گوشے کی طرف دیکھ رہی تھی.......... جمال اپنی خفت مٹانے کے لئے اس طرف بھاگا.......... ڈاکٹر کمال نے رومال سے ڈاکٹر خیام کے کپڑے صاف کئے۔

جمال تیزی سے پلٹ آیا..........

"بکواس، بالکل بکواس، کچھ بھی نہیں۔ نکل جاؤ، گیٹ آؤٹ!"

سہمی ہوئی سلمیٰ کمرے کی طرف چلی گئی.......... جمال نے ڈاکٹر سے معافی مانگی..........

"ایکسکیوزمی ڈاکٹر ایکسکیوزمی پلیز!"

"کوئی بات نہیں جمال صاحب، لیکن یہ عورت کون ہے..........؟"

"ملازمہ ہے ہماری۔"

"کب سے ملازمہ ہے..........؟"

"یہاں آنے سے ایک دو روز پہلے رکھا تھا۔"

"آئی سی..........!" ڈاکٹر سوچ میں پڑ گیا۔

"کیوں، آپ کیوں پوچھ رہے ہیں..........؟" جمال نے پوچھا۔

"یہ عورت میری بیوی تھی یا یوں کہیئے کہ بیوی بن کر وارد ہوئی تھی اور یا یہ کہ حالات نے اسے میری بیوی بنا دیا تھا.......... میں نہیں جانتا، یہ میری بیوی ہے یا نہیں۔ دو ڈھائی مہینے ہم اکٹھے رہے مگر ہمارے تعلقات میاں بیوی جیسے نہ

تھے..........!"

"پھر..........؟" نگہت نے حیرت سے پوچھا۔

"پھر یہ بھاگ گئی' اچھا ہوا بھاگ گئی' ورنہ میں اسے قتل کر دیتا!"

"کیوں ڈاکٹر صاحب کیوں..........؟" نگہت کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس کا کوئی قصور بھی نہیں تھا۔ یہ بُری عورت بھی نہیں تھی مگر میرا دل اسے بیوی نہیں مان رہا تھا۔ میں اسے مزید برداشت نہیں کر سکتا تھا..........!"

"عجیب کہانی ہے آپ کی۔" نگہت نے ہمدردانہ اور استفسارانہ لہجے میں کہا..........

"چھوڑیئے اس قصے کو۔" جمال نے مداخلت کی.......... "اس خوشی کے موقع پر کوئی خوشی کی بات ہونی چاہیے۔ بیٹھیے چائے پی جیئے۔"

چاروں پھر سے بیٹھ گئے..........

نگہت نے چائے بنا کر ڈاکٹر کو دی.......... ایک دو لمحے اذیت ناک خاموشی رہی۔ جمال نے اس سکوت کو توڑا..........

"ڈاکٹر صاحب' میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔ امید ہے آپ محسوس نہیں کریں گے۔"

"نہیں جمال خیام صاحب نہیں۔" ڈاکٹر چائے پیتے ہوئے بولا.......... "میں سوچ رہا ہوں۔ سانپ کے خوف سے وہ میرے اوپر ہی کیوں گری۔ اس کی وجہ کچھ اور بھی ہو سکتی ہے..........؟"

"یہی کہ وہ آپ کے سامنے آنا چاہتی ہو۔" جمال نے کہا۔ "شاید آپ سے کسی اچھے سلوک کی متوقع ہو۔"

"میں اس سے پوچھوں گی۔" نگہت بولی۔ "کیونکہ میں نے پہلے بھی اس کے رویّے سے محسوس کیا ہے کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے.........."



"اب اجازت لیجئے ڈاکٹر۔" ڈاکٹر کمال نے سیچوایشن کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "راؤنڈ کا وقت ہو چکا ہے۔"

"ہاں صاحب' اب اجازت' بہت بہت نوازش آپ کی۔" ڈاکٹر اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کی مہربانی' آپ نے زحمت فرمائی۔"

دونوں ڈاکٹروں نے جمال سے باری باری ہاتھ ملایا۔ نگہت کو سلام کیا اور چلے گئے۔ نگہت نے جمال کی طرف دیکھا..........

"ڈاکٹر کتنا دکھی آدمی ہے۔ اس کی بیوی اس کی بیوی نہیں ہے!"

"کون جانے' کون کتنا دکھی ہے۔ سلمیٰ بھی تو ہے کہ شوہر اس کا شوہر نہیں رہا۔"

"عجب معمّہ ہے.........."

❖

دونوں ڈاکٹر ہسپتال کے دفتر پہنچے تو ڈاکٹر خیام نے فیس کا لفافہ ڈاکٹر کمال کو پکڑایا..........

"ڈاکٹر' اس روپے کو ہسپتال کے فنڈ میں جمع کرا دو۔"

"یہ جمال میاں بھی خاصے عالی ظرف آدمی نکلے.......... معلوم ہوتا ہے' بیوی سے بہت محبت ہے۔"

"تقدیر نے جو ہیرا اس کی جھولی میں ڈال دیا ہے' اس کے لئے تاج محل بھی بنا ڈالے تو کم ہو گا.........."

"واہ' خوب کہی۔ کیا مسز جمال واقعی اتنی خوبصورت ہے ڈاکٹر..........؟"

"مجھ سے پوچھو گے تو ساری کائنات وار دوں گا اس پر۔ فرض اور ضمیر کی پکار تک بھول گیا۔ دولت اور روپے کی کیا اوقات ہے اس کے سامنے۔"

"ڈاکٹر.......... آپ تو زندگی میں کبھی نہیں لڑکھڑائے۔ ایسا کیوں ہوا آخر..........؟"

"ایسا ہو جاتا ہے ڈاکٹر' نگاہِ یار کی ایک جھلک ساری زندگی کی عبادت کو سمیٹ لیتی ہے۔ تہذیب و آداب کی اونچی دیواریں ایک جست میں پھلانگ لیتا ہے انسان۔ دل کے معاملے عجیب ہوتے ہیں ڈاکٹر کمال' بہت ہی عجیب و غریب!"

"عشق تو ہم نے بھی کیا ہے ڈاکٹر خیام' مگر ایسے دیوانے کبھی نہ بن سکے۔"

"خوش قسمت ہو ڈاکٹر کمال کہ عشق کا دعویٰ کرتے ہو اور فرزانگی بھی سلامت ہے۔"

"ڈاکٹر' میں امن پسند شہری ہوں۔ میں قانون کے حدود اربعے میں عشق کا قائل ہوں ، یعنی سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

"دراصل دنیا تم جیسے لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے ڈاکٹر کمال۔ ہم جیسے بیوقوف تو اپنی آگ میں خود جل کر مرجاتے ہیں..........!"

"شیطان کے منہ میں خاک' مریں آپ کے دشمن۔ سچ کہتا ہوں' مجھ جیسے تو یہاں ایک کروڑ ایک ہیں مگر آپ جیسا ڈاکٹر تو صدی میں ایک آدھ پیدا ہوتا ہے!"

"اچھا بھئی ڈاکٹر کمال' میں تو اب اجازت چاہوں گا۔ ایک آدھ گھنٹہ آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور ضرور' کافی پی کر جایئے گا۔ میں نے شگفتہ سے کہہ دیا ہے۔"

❖

رات کے گیارہ بج رہے تھے..........

سلمیٰ سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ جمال اسے مسلسل ڈانٹے جا رہا تھا..........

"کچھ منہ سے پھوٹو بھی' میں پوچھ رہا ہوں۔ تم نے یہ حرکت کیوں



کی..........؟"

"سلمیٰ خاموش تھی مگر اس کی نظریں جمال پر جمی ہوئی تھیں.......... اس کی کیفیت عجیب تھی۔ اگرچہ وہ مظلوم نظر آ رہی تھی مگر سہمی ہوئی نظروں میں دور کہیں عزم کی چمک بھی لہرا رہی تھی..........

جمال اس چمک کو شاید اس کی ڈھٹائی سمجھ رہا تھا.......... اور وہ اندر ہی اندر سیخ پا ہو رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دبے ہوئے لہجے میں جو چیخ کے برابر تھی۔ بولا..........

"تمہاری یہ چپ مجھ سے اب برداشت نہ ہو گی۔ تمہارا رویّہ میرے لئے ہمیشہ مشکوک رہا اور آج تم نے جو کچھ کیا' میں اس کی وجہ ضرور جاننا چاہوں گا..........؟"

سلمیٰ جو کئی دنوں سے غبار دبائے بیٹھی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ آتش فشاں پھٹ پڑے گا.......... اور لاوا باہر آ جائے گا.......... مگر جمال جس پر صرف ایک ہی بھوت سوار تھا.......... نگہت کو اپنانے کا.......... نگہت کو حاصل کرنے کا..........!

سلمیٰ کی نفسیات کو نہ سمجھ سکا..........

اس نے سلمیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے جھنجھوڑا..........

"اب ایکٹنگ چھوڑ دو.......... اور مجھے بتاؤ کہ تم جو ڈاکٹر کی بیوی ہو ڈاکٹر کو چھوڑ کر کیوں چلی گئیں؟ تم نے سانپ کا ڈھونگ کیوں رچایا؟ تم نے اس کے ہاتھ سے چائے کیوں گرائی..........؟"

سلمیٰ نے اس پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی..........

"اگر میں سچ سچ بتا دوں تو آپ یقین کر لیں گے میرا..........؟"

"آخر کچھ کہو گی بھی.........."

"میں ڈاکٹر کی بیوی نہیں ہوں..........!"

جمال چونکا..........

"کیا مطلب..........؟"

"ڈاکٹر کے ہاتھ سے چائے اس لئے گرائی کہ آپ کو قاتل ہونے سے بچا لوں!"

"کیا بکتی ہو..........؟" جمال تقریباً" چیخا۔

"آپ نے ڈاکٹر کی پیالی میں زہر ملا دیا تھا۔ میں نے دیکھ لیا تھا!"

"سلمٰی.......... !" اس کی آواز لرز گئی..........

"میں آپ کی زبان سے اپنا نام سننے کے لئے ترس گئی تھی۔ یہ نام آپ نے کراچی اور لندن کے درمیان ٹیلی فون پر بھی ایک بار سنا تھا.........."

جمال بوکھلا کر رہ گیا..........

"اور آپ کے دو چہرے ہیں۔ پہلا چہرہ جمال کا' دوسرا چہرہ خیام کا' مگر فیس سرجری آپ کی آنکھوں کا رنگ نہ بدل سکی..........!"

جمال اب سنبھل چکا تھا..........

"تم جھوٹ بکتی ہو..........!"

"شاید.......... لیکن میرا اور آپ کا نکاح ٹیلی فون پر ہو چکا ہے۔ آپ لندن میں تھے اور میں کراچی کے انجمن بیت السلام میں۔"

"بالکل بکواس.........."

"ریل کے حادثے میں ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ آپ کو نگہت مل گئی۔ اور مجھے ڈاکٹر..........؟"

"دو مہینے ڈاکٹر کے پاس رہنے کے بعد اب تجھے کون منہ لگائے گا..........؟"

"میں معصوم ہوں' بالکل نگہت کی طرح..........!"

"دیکھو سلمٰی.......... میرے راستے میں روڑے مت اٹکاؤ۔ میں نگہت کو حاصل کرنے کے لئے بہت دور نکل گیا ہوں..........!"



"اگر آپ دوسرے کی بیوی کو اپنانے کے لئے اتنے دور جا سکتے ہیں تو میں اپنے شوہر کو حاصل کرنے کے لئے پیچھے کیوں رہوں گی۔"

"یعنی..........؟" وہ چیں برچیں ہو کر بولا۔

"یہ کہ نگہت کو ڈاکٹر کے حوالے کر دیں۔ میرا ہاتھ تھام لیں کہ یہی امن کا راستہ ہے۔"

"میں نگہت کو نہیں چھوڑ سکتا سلمٰی۔"

"میں اپنے شوہر کو کیسے چھوڑ دوں۔"

"میں تجھے طلاق دے دوں گا۔ اس کے بدلے مالا مال کر دوں گا تجھے۔"

"یعنی ایک معصوم لڑکی کا مستقبل تباہ کر دوں گی۔ ایک نیک دل ڈاکٹر کے خوابوں کو مٹی میں ملا دوں گی.......... اور اپنے مجازی خدا کو جہنم میں دھکیل دوں گی؟ میں نے بیت السلام میں یہ شیطانی سبق نہیں سیکھا سرتاج!"

"اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں دوسرے طریقے بھی جانتا ہوں سلمٰی!"

"میں آپ کی طرح دوسرے طریقے تو نہیں جانتی مگر ایک مسلمان عورت کی حیثیت سے اپنے خاوند پر قربان ہونے کا طریقہ جانتی ہوں!"

"قربان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"میں چھوڑ دوں گی آپ کا پیچھا.......... آپ نگہت کو چھوڑ دیں۔ میں خاموشی سے واپس بیت السلام چلی جاؤں گی۔"

"اس کا فائدہ' اس کا کیا فائدہ پہنچے گا تمہیں..........؟"

"نگہت بچ جائے گی۔ ڈاکٹر بچ جائے گا۔ آپ بچ جائیں گے' گناہ سے اور میرا اتنے دنوں کا کفارہ ادا ہو جائے گا' جتنے دن میں ڈاکٹر کے پاس نگہت بن کر چپ سادھے رہی۔"

معاً" ایک بار پھر وہی مدھم اور مدھر نغمہ فضاؤں میں گونج اٹھا..........

سلمٰی اور جمال ایک ساتھ چونکے...........

نگہت جو بستر میں نیم دراز چھت کو گھور رہی تھی' بے اختیارانہ اس طرح اٹھی' جیسے کسی جادوئی ہاتھ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا ہو۔

اس نے دروازہ کھولا اور تیزی سے باہر نکل گئی...........

برآمدے سے لان میں آئی اور ہر طرح کے خطرے کا احساس کئے بغیر ڈاکٹر کی کوٹھی کی طرف دوڑ پڑی...........

سلمٰی اور جمال نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا........... نگہت اپنے دھن میں ان کے بالکل قریب سے گزر گئی...........

جمال سے نہ رہا گیا........... وہ بھی اس کے پیچھے لپکا...........

"ٹھہرو نگہت...........!"

مگر نگہت نہ رکی........... وہ سحرزدہ سی آگے بڑھ رہی تھی۔ نغمے کی مدھر لہروں نے اسے اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا........... جمال تیزی سے آگے بڑھا۔ دو چار قدموں کے بعد اس نے اس کا راستہ روک لیا...........

نگہت نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا...........

دونوں کی آنکھوں میں شدید ردِ عمل تھا...........

"کہاں جا رہی ہو تم...........؟" اس نے سختی سے مگر دبے لہجے میں پوچھا۔

نگہت رونکھی سی ہو گئی...........

"مجھ سے پوچھتے ہیں لوگ' اس سے کوئی نہیں پوچھتا۔ کیوں گاتا ہے یہ گیت' کیوں گاتا ہے وہ...........؟"

وہ تیزی سے مڑی اور روتی ہوئی ہسپتال کی طرف بھاگی۔



جمال ایک دو لمحے کھڑا سوچتا رہا اور پھر خاموشی سے چل دیا...........

نگہت روتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور دھڑام سے بستر میں اوندھے منہ گر پڑی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی...........

جمال اندر آیا اور چپ چاپ کھڑا ہو گیا........... نگہت سسکیاں لے رہی تھی۔ لے کی دھیمی آواز کمرے میں پہنچ رہی تھی...........

جمال کے چہرے کا تاثر بتا رہا تھا کہ کسی فیصلے پر پہنچ چکا ہے۔ اس نے رک رک کر مگر فیصلہ کن لہجے میں کہا...........

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں اسی وقت یہ ہسپتال چھوڑ دینا چاہیے!"

نگہت نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور ہچکیاں لے رہی تھی۔

"سنا تم نے' یہ رونا دھونا چھوڑ دو اور جانے کی تیاری کرو۔"

اچانک شگفتہ ٹرے میں دوائیاں اٹھائے اندر آ گئی...........

"کیا بات ہے سر...........؟"

"کچھ نہیں نرس' ہم اسی وقت ہسپتال چھوڑ کر جا رہے ہیں۔"

"لیکن ڈاکٹر کی اجازت...........؟" شگفتہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کسی اجازت کی ضرورت نہیں' ہم ڈاکٹر کی فیس ادا کر چکے ہیں اور ہسپتال کے بقایا جات بھی...........!"

"مگر ابھی ان کے علاج میں دو دن کا کورس باقی ہے۔"

"میں اب ایک لمحہ بھی یہاں نہیں ٹھہر سکتا نرس' ایک لمحہ بھی...........!"

ڈاکٹر آنکھیں بند کئے جھولے پر بیٹھا تھا.......... گیت ختم ہوا تو اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے سامنے سلمٰی کو کھڑا دیکھ کر حیران رہ گیا..........

"تم..........!"

"جی.........." سلمٰی نے متانت سے جواب دیا..........

"کیا لینے آئی ہو اب؟"

"آج کے واقعے پر معافی مانگنے آئی ہوں۔ میں آپ کے اوپر گر پڑی تھی۔ دراصل میں آپ کے ہاتھوں سے چائے گرانا چاہتی تھی۔"

"کیوں..........؟"

"کیونکہ اس میں زہر ملا دیا گیا تھا..........!"

"نگہت..........!" ڈاکٹر حیرت سے بولا۔

"میں نگہت نہیں سلمٰی ہوں۔ نگہت وہ ہے، جو آپ کے گیت کی پکار پر دوڑ پڑتی ہے۔ وہی آپ کی بیوی ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو تم سلمٰی..........؟" وہ اس کے قریب آ گیا۔

"جمال میرا شوہر ہے۔ شادی سے پہلے ہم نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا۔ ریل کا حادثہ ہوا۔ میں ٹوٹے ہوئے ڈبے سے کسی نہ کسی طرح باہر نکل آئی اور افراتفری میں شوہر کو تلاش کرنے لگی.........."

"پھر..........؟" ڈاکٹر نے بے تابی سے پوچھا۔

"عروسی لباس میں آپ کو دیکھ کر سمجھی، آپ ہی میرے شوہر ہیں۔ لیکن جب آپ ہوش میں آئے اور نگہت نگہت پکارنے لگے تو مجھے معلوم ہوا کہ میں آپ کی بیوی نہیں ہوں۔"

"پھر کیا ہوا..........؟"

"میری بدقسمتی کہ میں نے خود کو حالات کے حوالے کر دیا۔ ضمیر کی پکار کے



باوجود میں گونگی ہو گئی تھی اور اظہارِ حقیقت زبان پر نہ لا سکی.......... دوسری طرف جمال نے بالکل وہی کیا جو مجھ سے سرزد ہو چکا تھا، بلکہ وہ مجھ سے دو قدم آگے تھا..........!"

"تم یہ سب کچھ یقین کے ساتھ کہہ رہی ہو نا..........؟"

"یقین کے ساتھ اور ایمان کے ساتھ، نگہت آپ کی بیوی ہے اور خوش قسمتی سے ابھی تک معصوم ہے۔"

عین اس لمحے نرس دوڑی دوڑی پہنچی۔

"ڈاکٹر، نمبر نو والے جا رہے ہیں۔ بالکل اسی وقت، انہوں نے سامان موٹر میں رکھ لیا ہے۔"

"نہیں نہیں، وہ نہیں جا سکتے۔ نہیں جا سکتے۔"

ڈاکٹر بدحواسی سے بھاگا۔ نرس اور سلمٰی بھی اس کے پیچھے بھاگیں۔

تینوں ہسپتال کے ایکسٹیریئر میں پہنچے تو گرد اُڑاتی ہوئی موٹر ان کے قریب سے نکل گئی۔ ڈاکٹر اسی طرح بدحواس تھا اور موٹر کی سرخ بتیوں کو دیکھ رہا تھا۔

سلمٰی آگے آئی..........

"آپ دیکھ کیا رہے ہیں، سوچ کیا رہے ہیں؟ پیچھا کیوں نہیں کرتے ان کا؟"

"ہاں ہاں..........!"

"ڈاکٹر بھاگا، سلمٰی بھی اس کے ساتھ تھی..........

نگہت نہایت گمبھیر چپ چاپ کار میں بیٹھی تھی۔ جمال بھی سنجیدہ تھا اور تیزی

سے کار چلا رہا تھا............

ڈاکٹر نے بھی گیرج سے کار نکالی۔ سلمٰی اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھی............

رات بھر دونوں کاروں کا سفر جاری رہا............

سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا کہ جمال کی کار اپنی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو گئی............

جونہی کار رکی............ بدھو نے آگے بڑھ کر سلام کیا............

"سلام مالک............"

جمال کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلا............

"مبارک ہو بدھو' تمہاری مالکن کی بینائی واپس آ گئی ہے۔"

"اوہ خدایا............ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" بدھو کی باچھیں کھل گئیں............ "ہم تو صبح و شام دعائیں مانگتے تھے۔"

"یہ سب تم لوگوں کی دعاؤں کا پھل ہے بدھو............"

جمال نے کار کا دوسرا دروازہ کھولا۔ نگہت باہر نکل آئی تو جمال نے کہا۔

"سورج طلوع ہونے والا ہے' تم کمرے میں چلی جاؤ۔ میں چائے بھجواتا ہوں۔"

نگہت چپ چاپ اندر چلی گئی............

❖

ڈاکٹر خیام نے سلمٰی کے اشارے پر کار روک لی۔ سلمٰی نے کہا۔

"آپ صبر اور تحمل سے کام لیں۔ میں نگہت سے مل کر ساری صورت حال سے آپ کو مطلع کر دوں گی............"

"لیکن............!" ڈاکٹر متذبذب تھا۔ سلمٰی نے اس کی بات کاٹی۔

"اس وقت آپ کا جانا ٹھیک نہیں۔ لڑائی جھگڑے کا اندیشہ ہے۔"

"مگر میں پولیس کی مدد لینا چاہتا ہوں۔"

"ابھی نہیں پلیز' میری خاطر۔"

"تو پھر میں کیا کروں' کہاں جاؤں؟"

"آپ ہوٹل چلے جائیں۔ نشاط ہوٹل اور انتظار کریں۔ میں آپ سے رابطہ رکھوں گی۔"

ڈاکٹر نے نیم رضامندگی سے اس کی طرف دیکھا۔

سلمٰی نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اندر چلی گئی............

کوٹھی کے گیٹ پر پہنچی تو اس نے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور احتیاط سے برآمدے تک جا پہنچی............ ایک بار پھر اس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی پھر لپک کر دروازہ کھولا اور نگہت کے بیڈ روم میں داخل ہو گئی۔

## ۵

نگہت پلنگ پر نیم دراز سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ سلمٰی کو اس طرح پُر اسرار انداز میں اندر آتے دیکھا تو حیران ہو کر اٹھ بیٹھی............

"تم............! تم کہاں رہ گئی تھیں سلمٰی............؟"

"آپ ہی کے کام سے رہ گئی تھی بی بی جی۔"

"میرے کام سے............؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ڈاکٹر کو بتانے گئی تھی کہ آپ کون ہیں۔"

"کون ہوں مَیں.........؟" اس کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"ڈاکٹر کی بیوی.........!"

"سلمٰی.........!" وہ تقریباً چیخی۔

"ہاں......... جمال صاحب میرے شوہر ہیں۔"

"جمال صاحب آپ کے شوہر ہیں.........؟" اس نے بے یقینی سے کہا۔

"ہاں......... ریل کے حادثے میں ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ خیام صاحب کو عروسی لباس میں دیکھ کر میں اپنا شوہر سمجھ بیٹھی تھی اور آپ کو عروسی لباس میں دیکھ کر جمال صاحب اپنی دلہن سمجھ بیٹھے۔"

"پھر.........؟"

"جب ہسپتال میں خیام صاحب کو ہوش آیا اور انہوں نے نگہت نگہت پکارا تو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کیونکہ میں نگہت نہیں تھی......... بلکہ میری بد قسمتی، ہم سب کی بد قسمتی کہ میری زبان گنگ ہو گئی اور میں حقیقت بیان نہ کر سکی۔ دوسری طرف جمال صاحب آپ کو دیکھ کر آپ کے گرویدہ ہو گئے اور انہوں نے ارادتاً "وہی کیا جو میں نے غیر ارادی طور پر کیا تھا........."

"اس کے بعد.........؟"

"ڈاکٹر نے وجدانی طور پر مجھے قبول نہ کیا اور نہ میں نے انہیں کوئی ترغیب دی۔ ہم ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے تا آنکہ، مجھے وہ گھر چھوڑنا پڑا۔"

"تم نے یہ سب پہلے کیوں نہ بتایا سلمٰی.........؟"

"ضمیر مجرم نہ ہونے کے باوجود مجرم تھا۔ ہمت نہ پڑتی تھی، وقت کا انتظار کرتی رہی۔ ہسپتال میں آپ دونوں کی بے چینی دیکھ کر کچھ کہنا چاہا مگر ہر بار جمال صاحب آڑے آتے رہے........."



"شکر ہے خدایا، تم نے میری عزت بچائی۔ خیام کو سب کچھ بتا دیا نا؟"

"ہاں، وہ میرے ساتھ آئے ہیں۔"

"کہاں ہے وہ.........؟" نگہت نے بے تابی سے پوچھا۔

"نشاط ہوٹل میں۔"

اچانک سیٹی کی آواز آئی۔ دونوں چونکیں.........

جمال لاتعداد ڈبے اٹھائے آ رہا تھا۔ نگہت نے سرگوشی کی۔

"تم ساتھ والے کمرے میں چلی جاؤ۔ میں اس سے نمٹتی ہوں۔"

سلمٰی لپک کر دوسرے کمرے میں چلی گئی.........

جمال اندر آ گیا اور سارے ڈبے نگہت کے سامنے ڈھیر کر دیئے۔ نگہت نے مصنوعی خوشی کا اظہار کیا.........

"یہ کیا سارا بازار اٹھا کر لے آئے ہو.........؟"

جمال نے ڈبے کھولتے ہوئے کہا.........

"تم اندازہ نہیں کر سکتیں، آج میں کتنا خوش ہوں۔ یہ دیکھو مختلف قسم کے زیور، تقریباً" تیس ہزار کے ہیں اور یہ دو درجن ساڑھیاں ہیں، قیمتی سے قیمتی اور ان ڈبوں میں ریشمی سوٹ ہیں، ایک سے ایک بڑھیا اور دنیا کے ہر رنگ کا سوٹ.........!"

"ہائے اللہ، میں تو خوشی سے پاگل ہو جاؤں گی۔"

"پاگل تو میں ہو رہا ہوں نگہت۔ ڈھائی تین ماہ سے اس دن کا انتظار کر رہا تھا۔"

"اچھا جناب۔" نگہت نے شوخی سے کہا......... "اب زیادہ نہ بنیئے، فوراً تشریف لے جایئے اور رات نو بجے سے پہلے نہ آیئے۔ دلہنوں کو ہار سنگھار میں کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔"

"چلا جاتا ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن ایک بار گلے لگ جاؤ۔"

"ہرگز نہیں جناب' باقاعدہ عروسی جوڑا پہنوں گی۔ سولہ سنگھار کروں گی دلہن بنوں گی۔ گھونگھٹ کھینچوں گی، منہ دکھائی لوں گی' تب کہیں جا کر اجازت ملے گی تمہیں.........!"

جمال ہنس پڑا.........

"اچھا بھئی اچھا' لو جا رہا ہوں۔"

جمال چلا گیا۔ نگہت طنزیہ مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے ہنس کر دوسری طرف دیکھا۔

"آ جاؤ سلمٰی........."

سلمٰی نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھولا.........

"بہت خوب' آپ نے بہت اچھی اداکاری کی........."

"مان گئی نا' لو' یہ سرخ جوڑا آج تم پہنو گی۔ میں اپنے ہاتھ سے تمہاری مانگ میں سندور بھروں گی۔ جمال صاحب نے جو ڈرامہ کھیلا ہے' آج اس کا ڈراپ سین ہو گا اور اس کی ہیروئن تم ہو گی۔"

"شاید وہ مجھے قبول نہ کریں........."

"ان کے انکار سے سماجی بندھن ٹوٹ نہیں جائے گا؟"

"فرض کرو وہ نہ مانے تو.........؟"

"قانون کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ مجرم ہے۔ میرا خیال ہے' جیل جانے کی بجائے بیوی کے پاس رہنے میں زیادہ فائدہ ہے اسے۔"

"اور آپ.........؟"

"مجھے تو تم نے اتنی موٹی موٹی آنکھیں دے دی ہیں۔ اب میرا راستہ کون روک سکتا ہے۔"



"کس وقت جائیں گی آپ.........؟"

"تمہیں دلہن بنا کر جاؤں گی۔ جمال نو بجے سے پہلے نہیں آئے گا اور پھر ابھی تو باہر سورج چمک رہا ہے۔ میں شام ہونے سے پہلے تو نکلنے سے رہی۔"

"مجھے ڈاکٹر کا خیال ہے۔ بے چارہ کتنا پریشان ہو گا۔"

"میں اسے فون کرتی ہوں۔"

اس نے ٹیلی فون کا چونگا اٹھایا۔ نشاط ہوٹل کا نمبر پوچھ کر ڈائل کیا اور ریسپشن سے ڈاکٹر خیام کا کمرہ مانگا.........

چند لمحوں کے بعد نگہت کی جانی پہچانی آواز نے "ہیلو" کہا۔

نگہت کے چہرے پر شوق و مسرت کی لہر دوڑ گئی.........

"خیام بول رہے ہو نا' بتائیے میں کون بول رہی ہوں؟"

"نگہت.........!" ڈاکٹر کی آواز خوشی سے تھرا گئی.........

"گھبرائے گا نہیں۔ تمہارا حکم ہے نا' سورج کی طرف نہ دیکھوں' اس لئے شام سے پہلے تمہیں نہ دیکھ سکوں گی۔"

"مگر نگہت' تم نہیں جانتی' مجھ پر کیا بیت رہی ہے۔"

"مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے خیام۔"

"میں اس جمال کے بچے کو سبق سکھانا چاہتا تھا........."

"نہیں خیام' ہمیں سلمٰی کے لئے چپ رہنا ہو گا۔ سلمٰی نہ ہوتی تو ہم تباہ و برباد ہو جاتے۔"

"مگر شام کب ہو گی.........؟"

نگہت ہنس پڑی.........

"جس طرح روز شام ہو جاتی ہے، آج بھی ہو جائے گی۔"

ڈاکٹر نے گھڑی کی طرف دیکھا.........

"لیکن ابھی تو پورے سات گھنٹے باقی ہیں.........؟"

"سات برس تو باقی نہیں نا۔" وہ ہنس رہی تھی۔

"ایک ایک پل ایک ایک صدی کے برابر ہے۔ میں نے تجھے کھو کر پایا ہے وحشتِ دل کا کیا کروں........."

"تو پھر وہ گیت سنا دیں۔ وہی مدھر' میٹھا گیت' شاید آ ہی جاؤں۔"

ڈاکٹر خیام کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس کے چہرے پر ویرانی اور بے چینی کی جگہ کومل کومل طمانیت نے لے لی۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اس کے لبوں پر ایک مہربان سا تبسم کھل گیا.........

اس تبسم میں سے نور کی کرن کی طرح ایک نغمہ پھوٹا.........

اس نغمے کے احساس نے نگہت کے ہونٹوں پر بھی خود فراموشی کے پھول سجا دیئے.........

ٹیلی فون کی تاروں نے دونوں کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا.........

سلمٰی دیکھ رہی تھی۔ جس گیت کے لئے ڈاکٹر بار بار اصرار کرتا تھا' آج وہ گیت نگہت کے لبوں پر بے اختیار آ گیا تھا.........

وہ خوش تھی......... وہ اس لئے خوش تھی کہ یہ خوشی اس کی وجہ سے عبارت تھی......... دو سچے محبت کرنے والوں کے درمیان میں حائل پردے کو چاک کر کے وہ اپنی روح کو نہایت سرشار محسوس کر رہی تھی.........

اس کے ذہن اور ضمیر پر اب کوئی بوجھ نہیں تھا۔ اس کا وجود سبک اور ہلکا پھلکا ہو گیا تھا اور پروں کے بغیر اڑنے کو اس کا جی چاہتا تھا.........

نگہت اور خیام گیت گا رہے تھے۔ دونوں پر نشے کی سی کیفیت طاری تھی......... یا انوکھی خوشی تھی......... بچپن سے ایک دوسرے کو چاہنے والے' بچپن سے میاں



بیوی کے رشتے کے احساس میں رچے بسے ہوئے......... اچانک بچھڑے' اچانک ملے' حادثہ ہوا' کوسوں دور چلے گئے......... پھر حادثہ ہوا......... قریب آ گئے......... بچھڑنا بھی مقدر' اور ملاپ بھی مقدر.........

سیدھے سبھاؤ ملاپ میں غالباً وہ تڑپ نہ ہوتی جو موجودہ صورت میں پیدا ہوئی تھی.........

گیت ختم ہوا۔ ڈاکٹر خیام اسی کیفیت میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا سر کرسی کی پشت پر رکھ دیا......... اور آنکھیں بند کر لیں۔

نگہت کے تصور نے وقت کا احساس ختم کر دیا تھا.........

اچانک دستک ہوئی.........

ڈاکٹر خیام کرسی پر نیم دراز تھا......... وہ یہی محسوس کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کا چونگا ابھی ابھی رکھا ہے......... گیت ابھی ابھی ختم ہوا ہے.........

اس کی بند آنکھوں کا سکون' اس کے متبسّم لبوں کے اطمینان میں محبت کی ایک لازوال داستان رقص کناں تھی.........

دستک دوبارہ ہوئی.........

ڈاکٹر نے بے خیالی سے کہا......... "کم اِن۔"

دروازہ دھیرے سے کھلا۔ احساسات اور جذبات میں ڈوبی ہوئی نگہت اندر آ گئی.........

ڈاکٹر کی آنکھیں اب بھی بند تھیں.........

وہ اسی تصور میں سرشار تھا.........

نگہت نے اس کی یہ کیفیت دیکھی......... تو غم اور خوشی سے اس کا دل بھر آیا.........

وہ جذبے سے آگے بڑھی.........

کرسی کی پشت پر آکر وہ ڈاکٹر پر جھک گئی.........

اس نے نہایت عقیدت سے اپنے ہونٹ اس کی پیشانی پر رکھ دیئے.........

ڈاکٹر کا خواب......... ڈاکٹر کا تصور......... حقیقت کا روپ اختیار کر گیا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں......... تو ساری کائنات اس کی جھولی میں آنے کے لئے بے تاب تھی.........

وہ تڑپ کر اٹھا اور نگہت سے لپٹ گیا.........

یہ خوشی اور سعادت کے وہ لمحے تھے کہ انسان دھاڑیں مار مار کر روتا ہے اور مسرت حاصل کرتا ہے.........

نگہت اور خیام بھی زارو قطار رو رہے تھے.........!

جمال زرق برق شیروانی پہنے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا......... اس نے خوش خوش اور نازو ادا سے اپنے اوپر عطر چھڑکا......... اور پھر بڑے بانکپن سے دیوار پر لگے ہوئے کلاک کی طرف نگاہ اٹھائی۔

کلاک کی سوئیاں رات کے ساڑھے نو بجا رہی تھیں ........

اس نے مسکرا کر آئینے سے خود کلامی کی.........

"ساڑھے نو بج گئے ہیں۔ آدھ گھنٹہ لیٹ ہو گیا ہوں، خیر کوئی مضائقہ نہیں۔ آج تم بھی انتظار کی گھڑیوں کا ذائقہ چکھ لو.........!"

وہ ہنس پڑا......... اور جھومتا جھامتا نکل گیا.........



سلمیٰ دلہن بنی حجلۂ عروسی میں بیٹھی تھی......... جمال کے قدموں کی آواز سن



کر اس نے گھونگھٹ کھینچ لیا.........

جمال نے اندر آکر دروازہ بند کر دیا.........

سلمیٰ نے سر جھکا لیا اور قدرے سمٹ گئی۔ جمال زور سے ہنس پڑا۔

"آنکھوں کے بغیر تو تم شرمانا ہی بھول گئی تھی۔ آج تمہارا سمٹنا کتنا فطری معلوم ہوتا ہے۔"

اس نے سلمیٰ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا.........

"گھونگھٹ نکال کر تم سچ مچ دلہن لگ رہی ہو۔ دیکھوں، تم عروسی جوڑے میں کیسی لگ رہی ہو........."

جمال نے گھونگھٹ اٹھانا چاہا تو سلمیٰ نے گھونگھٹ پکڑ لیا......... جمال ہنس پڑا.........

"گویا منہ دکھائی کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ لیجئے۔" اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اٹھنی نکالی.........

"لو، یہ تو اٹھنی نکلی۔ بھئی اپنی اپنی قسمت ہے، لیجئے.........!"

سلمیٰ نے اٹھنی لے لی۔ جمال اور زور سے ہنس پڑا۔

"لو، یہ تو اٹھنی میں مان گئی۔ بہت اچھی دلہن ہے۔"

اس نے گھونگھٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

سلمیٰ آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی.........

گھونگھٹ اٹھانے کی دیر تھی۔ جمال چیخ اٹھا۔

"تم.........!"

"سرتاج.........!" سلمیٰ نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں کھول دیں۔

"سرتاج کی بچی.........!" وہ چیختا......... "یہ کیسا مذاق ہے.........؟"

"مذاق نہیں حقیقت ہے۔ میں آپ کی بیوی ہوں۔"

"تمہاری یہ بکواس میں نے ہسپتال میں بھی سنی تھی۔ میں پوچھتا ہوں' نگہت کہاں ہے؟؟"

"جہاں ہونا چاہیے تھا' وہاں پہنچ چکی ہے وہ۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ میرے جذبات سے کھیلنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔"

وہ تیزی سے پلٹا۔ سلمٰی نے لپک کر اسے پیچھے سے پکڑ لیا۔

"رک جاؤ سرتاج' مجھ پر رحم کرو' اپنے آپ پر رحم کرو۔ کھیلنے بسنے دو اُن شریف آدمیوں کو........"

جمال نے دانت پیستے ہوئے کہا.........

"بد بخت عورت' تم اس سازش میں مکمل طور پر شریک ہو۔" اس نے سلمٰی کا گلا گھونٹ لیا......... "تمہیں اپنے کئے کی پوری پوری سزا ملنی چاہیے۔"

سلمٰی کی آنکھیں باہر نکل آئیں.........

جمال نے پوری قوت سے دبانے کے بعد اسے نفرت سے پرے پھینک دیا اور پاگل کتے کی طرح جھاگ اگلتا ہوا باہر نکل گیا.........

ڈاکٹر خیام کی کار اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ نگہت نے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھا ہوا تھا اور وہ سکون کی نیند سو رہی تھی.........

ڈاکٹر خوش تھا۔ کنکھیوں سے نگہت کی طرف دیکھتا اور پھر مسکرا کر سڑک کا جائزہ لیتا.........

جمال کی کار ستر اسی میل کی رفتار سے جا رہی تھی......... اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر بلا کا کرب تھا۔

جذبات نے اسے اندھا کر دیا تھا......... انسانی قدریں' تہذیب و اخلاق اور



قانون و سماج سب ایک طرف......... جذبات جب انسان کو مغلوب کر لیتے ہیں تو وہ مذہب کی روحانی فصیلیں بھی پھاند جاتا ہے.........

پھر انسان اور شیطان میں کوئی فاصلہ باقی نہیں رہتا.........

ڈاکٹر کے ذہن میں ایک ذرہ بھی شبہ نہیں تھا کہ جمال اس کا پیچھا کر سکتا ہے' اس لئے وہ نہایت اطمینان سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

لیکن وہ شخص جو قانونی اور اخلاقی مجرم تھا......... جو دوسرے کی بیوی کو زبردستی دھوکے اور فریب سے اپنانے پر تلا ہُوا تھا......... کس ڈھٹائی اور بے حیائی سے پیچھا کر رہا تھا.........

زندگی میں کبھی کبھی بد بختی کا ایسا لمحہ بھی آتا ہے کہ انسان نیکی کی خواہش کی طرح' بدی کی تکمیل کے لئے دیوانہ ہوتا ہے.........

اور برائی کو فرض سمجھ کر انجام دیتا ہے.........!

۵

پَو پھٹ چکی تھی......... سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔

ڈاکٹر خیام نے پورچ میں گاڑی روکی......... نگہت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"اندر جانے سے پہلے جھولے پر جائیں گے۔ ایک بار پھر وہی نغمہ گائیں گے۔"

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا......... تھکاوٹ کے باوجود اس کی آنکھیں جگمگ جگمگ کر رہی تھیں......... دونوں باہر نکلے......... ڈاکٹر نے اسے بغل میں لیا اور جھولے کی طرف چل پڑے.........

نگہت جونہی جھولے پر بیٹھی۔

جمال کی کار ایک جھٹکے سے آ کر رک گئی۔

دونوں نے چونک کر اُدھر دیکھا.........

جمال کار سے نکلا.........

ایک لمحہ کے لئے غصے اور نفرت سے دونوں کو دیکھا.........

اور پھر رعونت سے ان کی طرف بڑھا۔

نگہت سہم کر جھولے سے اٹھی اور ڈاکٹر کے پہلو میں آ گئی۔ ڈاکٹر نے ہاتھ پھیلا کر اسے بغل میں لے لیا.........

جمال ان کے قریب آ کر رک گیا۔ اس نے تیز اور کھا جانے والی نظروں سے دونوں کو دیکھا.........

"میرا نام جمال ہے۔ میں جو کچھ کرتا ہوں' اس کے نتیجے پر نظر بھی رکھتا ہوں.........!"

"تمہیں ابھی تک ہوش نہیں آیا جمال۔ ہم نے محض تمہاری بیوی کی خاطر تم سے باز پرس نہیں کی۔"

"جو کل تک تمہارے گھر بستی رہی' آج میں اسے اپنے گھر بسا لوں ڈاکٹر؟"

"میں خدا کو حاظر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ وہ معصوم ہے۔"

جمال طنزیہ انداز میں ہنسا۔

"ایسی قسم تو میں بھی کھا سکتا ہوں ڈاکٹر کہ نگہت معصوم ہے مگر اس طرح معاملہ ختم نہ ہو گا........."

"لیکن تم چاہتے کیا ہو آخر.........؟ کیا تم سمجھتے ہو' تمہارے تیور دیکھ کر میں نگہت کو تمہارے حوالے کر دوں گا.........؟"

"اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ڈاکٹر......... یہ قدرت کا فیصلہ تھا کہ نگہت میرے پاس اور سلمٰی تمہارے پاس پہنچی.........!"



"جواب نہیں تمہاری بے شرمی کا' یہ جانتے ہوئے کہ نگہت میری اور سلمٰی تمہاری بیوی ہے' کس ڈھٹائی سے اپنے مطالبے پر ڈٹے ہوئے ہو۔"

"تم نہیں جانتے ڈاکٹر' میں نے نگہت کے لئے کتنی بڑی قربانی دی ہے۔ میں نے زندگی بھر کی کمائی فیس سرجری پر خرچ کر دی۔ میں نے نگہت کے لئے اپنی خوبصورت شکل' تمہاری بد صورت شکل میں بدل ڈالی اور اس پر بھی تم کہتے ہو کہ میں بے شرمی کا مظاہرہ کر رہا ہوں........."

"بے شرمی کا نہیں' بے غیرتی کا بھی۔ میری منکوحہ بیوی پر دعویٰ کرتے ہو۔ اپنی منکوحہ بیوی کو میری جھولی میں ڈالنا چاہتے ہو۔ ایسی بے غیرتی کا رواج تو اُس ملک میں بھی نہیں ہے' جہاں سے تم لوٹ کر آئے ہو.........!"

"وکیل اور دلیل کی باتیں چھوڑ دو ڈاکٹر' جان کی بازی لگا کر آیا ہوں۔ نگہت کو میرے حوالے کر دو۔"

"خدا کے لئے لوٹ جاؤ جمال۔" نگہت ایک قدم آگے بڑھی۔ "میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ میرا تمہارا واسطہ کیا ہے؟ خدا سے ڈرو' پاگل پن چھوڑ دو۔"

"کہہ جو دیا جان کی بازی لگا کر آیا ہوں نگہت۔ ڈاکٹر کی زندگی چاہتی ہو تو چپکے سے میری کار میں بیٹھ جاؤ۔"

"معلوم ہوتا ہے' فرشتۂ اجل تمہارے سر پر آن پہنچا ہے۔" ڈاکٹر نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے گریبان سے پکڑ لیا......... "بد بخت آدمی' کبھی سنا' کبھی دیکھا' تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ کبھی ہوا ہے اس دیس میں.........؟"

ڈاکٹر نے بے تحاشہ تھپڑ اس کے منہ پر رسید کئے......... اس کے منہ پر تھوکا......... اور دھکا دے کر پرے پھینک دیا.........

مگر اگلے لمحے جمال تیزی سے اٹھا......... اسی تیزی سے جیب سے پستول نکالا اور اس کا رخ ڈاکٹر کی طرف کر دیا.........

"کچی گولیاں نہیں کھیلتا ڈاکٹر......... اب بتاؤ' اب فیصلہ کرو۔ زندگی کا انتخاب کرتے ہو یا نگہت کا.........؟"

"فیصلہ میں کرتی ہوں جمال۔" نگہت ایک بار پھر آگے بڑھی......... "گولی ڈاکٹر پر نہیں مجھ پر چلا دو۔ نہ رہے گا بانس' نہ بجے گی بانسری!"

"نہیں نگہت نہیں۔" ڈاکٹر نے نگہت کو پیچھے دھکیلا۔ "یہ میری انا اور غیرت کا مسئلہ ہے۔ میں اسے بتا دینا چاہتا ہوں کہ گولی کے خوف سے کوئی انسان اپنی عزت کا سودا نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر تیار ہو جاؤ موت کے لئے پانچ تک گنتی کروں گا۔ اتنی دیر میں تم نے فیصلہ میرے حق میں نہ دیا تو خاک میں تڑپتے نظر آؤ گے۔"

نگہت نے بے رحمی سے ہونٹ کاٹے اور اپنے ردِ عمل کو نہایت کرب سے ضبط کیا.........

جمال نے گنتی شروع کر دی.........

"ایک......... دو......... تین"

ڈاکٹر متانت سے کھڑا رہا مگر نگہت چیخ اٹھی.........

"نہیں نہیں.........!"

وہ جمال کی طرف لپکی مگر ڈاکٹر نے اس کا راستہ روک لیا.........

"یہ عزتِ نفس کا لمحہ ہے نگہت۔ یہ امتحان کا لمحہ ہے' یہیں کھڑی رہو۔ چلانے دو گولی اسے.........!"

جمال نے رعونت سے گنتی آگے بڑھائی.........

"چار.........!"

مگر اس سے پہلے کہ وہ پانچ کہتا' گولی چل گئی.........

اور جمال تڑپ کر گر پڑا.........



ڈاکٹر اور نگہت نے چونک کر گیٹ کی طرف دیکھا......... اور بے اختیار ان کے منہ سے "سلمیٰ" نکلا.........

سلمیٰ نہایت اعتماد اور ٹھہراؤ سے قدم اٹھاتی ہوئی آگے آ رہی تھی.........

پستول اس کے ہاتھ میں تھا.........

ڈاکٹر اور نگہت دونوں اسے حیرت مگر تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

سلمیٰ نے شوہر کے قریب آ کر نہایت عقیدت اور محبت سے اس کا سر اپنی گود میں رکھا.........

جمال نے نیم بے ہوشی کی کیفیت میں نیم وا آنکھوں سے اور لرزتے ہوئے ہونٹوں سے سلمیٰ کی طرف دیکھا.........

سلمیٰ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر پڑے.........

"جَو بو کر کوئی گندم نہیں کاٹ سکتا سرتاج.........!"

جمال نے اثبات میں سر ہلایا اور آنکھیں بند کر دیں.........

سلمیٰ نے اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھ دیئے.........

نگہت نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا......... جو بت بنا اس عورت کی طرف دیکھ رہا تھا' جس نے دو بار اسے موت کے منہ سے بچایا تھا.........

ایک بار سانپ کا بہانہ بنا کر اس نے زہر کا پیالہ توڑ دیا تھا.........!

دوسری بار اس نے سہاگ کا خراج ادا کر کے اسے زندگی سے نوازا تھا.........!!

یہ وہی عورت تھی.........

کہ ایک دن ڈاکٹر اس کا گلا گھونٹنے پر آمادہ ہو گیا تھا.........!!!

کون کہہ سکتا ہے......... کہ یہ یتیم ویسیر لڑکی زندگی پر بار تھی.........؟

اور کون کہہ سکتا ہے......... کہ جو بہت اہم ہوتا ہے' کس حد تک اہم ہوتا ہے؟ اور جو بالکل اہم نہیں ہوتا' ایک دن بے حد اہم ہو جاتا ہے.........؟"

✳ ✳

# دو جسم ایک رُوح

تورد لِ بے چینی سے حجرے میں ٹہل رہا تھا۔

آج شکار پر جانے کا پروگرام تھا۔ سب دوست جمع ہو گئے تھے مگر منور خان ابھی تک نہیں آیا تھا۔

یہ بے فکروں کا ٹولہ تھا۔ دو تین ماہ بعد شکار پر نکلتے اور دس دس دن گھروں سے غائب رہتے۔

کسی نے کہا.........

"پَو پھٹنے والی ہے، کب تک انتظار کریں گے منور خان کا؟"

تورد لِ نے ادھر دیکھا۔

"نہیں......... منور خان کے بغیر شکار کا لطف نہیں آئے گا۔ آپ لوگ چلم تازہ کریں میں ابھی لایا اُسے۔"

*

منور خان کی بہن دودھ دوھ رہی تھی اور ماں صحن میں جھاڑو دے رہی تھی۔

تورد لِ گھر پہنچا ماں، کو سلام کیا اور منور خان کے بارے میں پوچھا.........

ماں نے خوش آمدید کہا اور ہنستے ہوئے بولی۔

"سو رہا ہے بیٹا۔ دو دفعہ جگا چکی ہوں پھر سو جاتا ہے!"

تورد لِ مصنوعی غصے سے بولا۔

"عجب بے تکا آدمی ہے۔ خود ہی معاملہ طے کرتا ہے اور خود ہی پہلوتہی کرتا

ہے۔ دیکھتا ہوں کیسے نہیں اٹھتا"..........

اس نے پانی کا بھرا ہوا گھڑا اُٹھایا اور اندر چلا گیا۔

ماں نے اپنی بیٹی جبینہ کی طرف دیکھا اور ہنس پڑی..........

"دونوں چچا زاد بھائی ہیں تربور ہیں' یہ رشتہ یہاں دشمنی کی علامت سمجھا جاتا ہے مگر ان دونوں میں کتنا پیار ہے"۔

*

توردِل نے بھرا ہوا گھڑا منور خان پر انڈیل دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ توردِل نے قہقہہ لگا کر کہا..........

"شکار کے انتظامات اپنے ذمے لے لیتے ہو۔ دوستوں کو اکٹھا کر لیتے ہو پھر گھوڑے بیچ کر سو جاتے ہو"..........

منور خان نے اٹھتے ہوئے کہا..........

"کیا بتاؤں یار' اس نیند کے ہاتھوں ہمیشہ ذلیل ہوتا ہوں۔ اچھا تم چلو باہر' میں کپڑے بدل کر آیا۔"

توردِل نے شرارت سے سرہلایا اور مسکراتے ہوئے باہر چلا گیا..........

*

جبینہ مکھن کا پیڑہ توردلئے کو پکڑاتے ہوئے بولی..........

"لالہ آپ دونوں ساری زندگی شکار ہی کھیلتے رہیں گے یا کچھ کام کی بات بھی کریں گے ؟"

توردِل چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"تم ہم سے کیا کام کرانا چاہتی ہو جبینے ؟"

"ماں کے کتنے ارمان ہیں' گاؤں میں ڈھول ڈھمکا ہو' بتاشے بٹیں' طوائفیں ناچیں۔ آخر آپ دونوں شادی کے لئے ہاں کیوں نہیں کہتے؟"



"دیکھ جبینو " توردل مکھن لگاتے ہوئے بولا۔ "سچی بات یہ ہے مجھے تو ابھی تک کوئی لڑکی پسند نہیں آئی۔ جب تمھارا لالہ منور خان شادی کرے گا مجھے تو بڑی خوشی ہو گی"۔

"یہ بھی ایک ہی کہی"۔ جبینہ قدرے حیرت سے بولی۔ "یوسف زئی قبیلے کی خوبصورتی تو سارے جہاں میں مشہور ہے اور ایک آپ ہیں کہ کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آتی"۔

"یہ تو دل کی باتیں ہیں جبینو ' دل عقل کی باتیں کب جانتا ہے"۔

تو پھر ایسا کرو مجھ پر چھوڑ دو۔ میں کوئی لڑکی تلاش کرتی ہوں' آپ کے لئے "۔

"ناں جبینو ' تم بیچ میں نہ آؤ۔ یہ ہماری آوارگی کا دور ہے۔ کیوں پھنساتی ہو ہمیں"۔

منور خان کپڑے بدل کر باہر آگیا۔

"کیا بات ہے توردلئے یہ جبینہ پھر شادی کی بات کر رہی ہو گی؟"

"اور کیا' یہاں تو کوئی دوسرا مضمون ہی نہیں ہے"۔

منور خان نے بہن کو کان سے پکڑ کر کھینچا۔

"دیکھ لڑکی.......... پہلے تیرا بیاہ ہو گا۔ اس کے بعد ہم دونوں کی باری آئے گی"۔

جبینہ منہ بسورتی ہوئی بولی.......... "دیکھ ماں' لالہ پھر میرے کان کھینچ رہا ہے"۔

اس سے پہلے کہ ماں آئے دونوں ہنستے ہوئے باہر چلے گئے۔

*

گاؤں سے باہر پنگھٹ پر تین چار لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں۔ کسی کی نظر پڑی تو بولی..........

"یہ توردلئے کی ٹولی پھر کہاں جا رہی ہے؟"

سب نے نظر اٹھا کر دیکھا۔

"منور خان بھی ساتھ ہے"۔ دوسری نے کہا۔

"شکار پر جا رہے ہوں گے"۔ تیسری بولی۔ "اور کام ہی کیا کرتے ہیں یہ لوگ"۔

"کسی کو خاطر میں نہیں لاتے"۔ چوتھی نے کہا۔ "بڑے نخرے ہیں' دونوں کے"۔

"توردلئے کی بات کر!" پہلی لڑکی بولی۔ "کم بخت کو یوسف زئی قبیلے میں کوئی لڑکی پسند نہیں آتی!!"

"ہماری بلا سے"۔ تیسری نے کہا۔ "ہم کب پروا کرتے ہیں"۔

یہ لوگ اب پنگھٹ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ توردلئے نے شرارت سے ساتھیوں کو آنکھ ماری اور لڑکیوں کی طرف متوجہ ہوا۔

"لڑکیو' پیاس لگی ہے۔ مسافروں کو پانی پلا دو"۔

"بڑا آیا دور کا مسافر"۔ ایک لڑکی تنک کر بولی۔ "زہر کی چٹکی ہوتی تو پانی میں ملا کر بہت خوشی سے پلاتی!"

سارے لڑکے ہنس پڑے۔ سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"ہمارا قصور.........؟" منور خان مصنوعی حیرت سے بولا۔

"یہ جو ہے نا تمہارا سیف الملوک .........! یوسف زئیوں میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے.........!"

دوسری نے طنز سے کہا.........

"بدری جمالہ آئے گی آسمانوں سے اتر کر' سیف الملوک کے لئے"۔ توردلئے ہنس پڑا.........

"کمال ہے......... یہ تم سب میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔ میں نے تو کسی کو



ہلکی نظر سے نہیں دیکھا۔ دل کی بات ہے' نہیں مانتا۔ دل تو بس دل ہی ہوتا ہے"۔

تیسری نے ہاتھ نچاتے ہوئے زہر بھرے لہجے میں کہا۔

"آ ہا ہا......... دل تو بس دل ہی ہوتا ہے۔ ہمارے سینوں میں تو گویا پتھر ہیں۔ چاندی کا دل تو بس آپ ہی کے سینے میں دھڑکتا ہے!"

توردلئے لاجواب ہو کر ہنس پڑا۔

منور خان نے کہا.........

"لڑکیو' تم تو خوامخواہ بھری بیٹھی ہو۔ پانی پلانا ہے یا نہیں؟"

لڑکیوں نے سرگوشی کی اور بیک وقت پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اٹھائے اور ان کی طرف رخ کر کے پانی انڈیل دیا۔

لڑکوں نے زور دار قہقہہ لگایا.........

لڑکیاں چیں بہ چیں ان کے استہزائیہ انداز کو دیکھتی رہیں۔ توردلئے نے آگے بڑھتے ہوئے کہا.........

"پانی تو لوگ دشمن کو بھی پلا دیتے ہیں۔ چلو ساتھیو' ان کا ظرف دیکھنا تھا دیکھ لیا' ورنہ پیاس کس کو لگی تھی!"

لڑکے ہنستے کھیلتے آگے بڑھ گئے......... توردلئے کا وار کاری تھا۔ لڑکیاں ہونٹ بھینچے غضبناک نظروں سے بے فکروں کی ٹولی کو دیکھتی رہ گئیں۔

*

دو لکڑیاں زمین میں گڑی ہوئی تھیں۔ لکڑیوں کے دو شاخوں پر آہنی سلاخ میں ہرن بھونا جا رہا تھا۔ نیچے کوئلے سلگ رہے تھے۔ توردل' منور خان اور ان کے چاروں دوسرے ساتھی چاقوؤں سے گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ منور خان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "صبح صبح خوبصورت لڑکیوں کا منہ دیکھا تھا۔ شکار اچھا مل گیا"۔

دوسرے نے کہا۔

"میں نے ہرن کا گوشت زندگی میں پہلی بار کھایا ہے، بہت لذیز ہے یہ"۔

"سنا ہے، منڈر قبیلے کی چراگاہوں میں بہت ہرن ہیں۔ میری تو نیت ہو رہی ہے، آج ادھر کا رخ کریں"۔

"تو چلو اللہ کا نام لے کر"۔ تیسرے نے تائید کی۔

چوتھا بولا۔ "ہاں یارو، اگر چھ سات ہرن شکار ہو گئے تو سب کے حصے میں ایک ایک آجائے گا"۔

"تو پھر چلو"۔ دوسرا بولا۔ "ہرچہ بادا بادا دیکھا جائے گا!"

"فساد کی باتیں نہ کرو"۔ منورخان نے ٹوکا۔ "تم سب جانتے ہو منڈر اور یوسف زئی قبیلوں میں دشتینی دشمنی ہے اگر ان کو پتہ چل گیا تو جھگڑا اٹھے گا، لڑائی ہو گی"۔

توردلِ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"چھوڑو یار منورخان، لڑائی ہو گی تو کیا ہم پیچھے ہٹنے والے ہیں۔ تم تو ہمیشہ بزدلی کی باتیں کرتے ہو"۔

"اور تم ہمیشہ ٹیڑھی بات کرتے ہو توردل، جھگڑے اور فساد کی تلاش میں رہتے ہو"۔

"ہاں ٹھیک ہے"۔ وہ تنک کر بولا۔ "مجھے ٹیڑھے راستوں پر چلنا پسند ہے۔ تم سیدھی راہ پر چلنا پسند کرتے ہو تو جاؤ خدا حافظ!"

منورخان چند لمحے سختی سے اسے دیکھتا رہا پھر ٹھہرے لہجے میں بولا۔

"توردلِ......! تم جو کچھ کہہ رہے ہو تمہارے حق میں اچھا نہ ہو گا!!"

"کیا مطلب......؟" وہ غصے سے بولا۔

"مطلب یہ کہ بڑوں اور بزرگوں کا فیصلہ ہے، منڈر اور یوسف زئی ایک دوسرے کی سرحد پار نہیں کریں گے"۔



"تم نے سرحد پار کرلی تو قانون شکنی کی ساری ذمہ داری تمہارے سر ہو گی"۔

"منورخان......!" توردلئے سخت لہجے میں بولا...... "تم توردلئے کو اچھی طرح جانتے ہو۔ توردلئے میں اتنا دم خم ہے کہ منڈروں اور یوسف زئیوں کو جواب دے سکے"۔

"ٹھیک ہے"۔ اس نے دوسرے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ "میرا خیال ہے، تم سب بھی اس کا ساتھ دو گے؟"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے"۔ ان میں سے ایک بولا۔ "توردل جوانمرد آدمی ہے اگر وہ مرنا پسند کرتا ہے تو ہم اس کے ساتھ مرنا پسند کریں گے!"

"بہت اچھا، میں تم لوگوں کا انتظار کروں گا!"

اس نے غصے میں جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹا اور چلا گیا۔

*

توردلِ اپنے ساتھیوں کے ساتھ منڈر شکار گاہ میں داخل ہوا تو چند سنسناتے ہوئے تیر ان کے سروں پر سے گزر گئے...... انہوں نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا تو ایک خوفناک اجتماعی قہقہے نے انہیں چونکا دیا...... اگلے لمحے بیس پچیس آدمیوں کا جتھا گھات سے نکل آیا۔ وہ تیر کمانوں، نیزوں اور بندوقوں سے مسلح تھے۔ توردلِ نے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ منورخان نے کام دکھا دیا ہے"۔

منڈر قبیلے کا ایک تنومند نوجوان آگے بڑھا اور شوخی سے بولا۔

"یوسف زئی قبیلے کے بہادر نوجوانو کو سانپ کیوں سونگھ گیا ہے۔ منڈر قبیلہ کی شکارگاہوں کے ہرنوں کا گوشت کھانے سے پہلے لوگ اپنے دانتوں کی گنتی کر لیا کرتے ہیں!"

تور دلئے نے تمکنت سے کہا۔

"زیادہ اونچی آواز میں نہ بولو دوست' منڈروں کے بازوؤں میں کتنی طاقت ہے' یوسف زئی اسے کئی بار آزما چکے ہیں۔ یوسف زئی مائیں جب اپنے بیٹوں کو دودھ پلاتی ہیں تو سینوں پر وار کھانے کا سبق سکھانا نہیں بھولتیں۔ آئے ہیں تو بھاگیں گے نہیں!"

"واہ خوب.........!" ایک منڈر نوجوان بولا۔ "باتوں کا دھنی معلوم ہوتا ہے"۔

دوسرے نے گرہ لگائی۔

"یوسف زئی جو ٹھہرا.........!"

"طنز کے معنی میں یوسف زئیوں کا ذکر نہ کرو۔ یوسف زئی کے معنی غیرت اور تنگ نظری کے ہوتے ہیں"۔ توردلئے نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"منڈروں کی آن بان کے متعلق بھی سنا ہو گا تم نے.........؟"

"تربور' تربور ہی ہوتا ہے۔ یہ تم بھی جانتے ہو ہم بھی جانتے ہیں"۔ توردلئے نے جواب دیا۔

"جب یہ سب جانتے ہو تو ہماری سرحد میں قدم رکھنے کی جرأت کیوں کی؟ کیا جواز ہے' کیا جواب ہے تمہارے پاس؟"

"جواز یہ ہے کہ شکار کھیلنے آئے تھے اور جواب یہ ہے کہ کوئی مائی کا لال آج تک ہم سے جواب طلب نہیں کر سکا!"

منڈر اس جواب سے سیخ پا ہو گئے۔

"معلوم ہوتا ہے' تمہاری زبان کی نوک پر موت کا فرشتہ بیٹھا ہوا ہے"۔

تور دلئے نے بے نیازی سے کہا۔

"ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ گور کی رات گھر پر نہیں آتی"۔

منڈر نوجوان آگے بڑھا۔



"تمہارے غرور کو نیچا دکھانا ہی پڑے گا"۔

توردلئے مسکرایا۔ اس نے بندوق پھینک دی۔

"بندوق سے آدمی کی بہادری کا امتحان نہیں ہوتا' آؤ سب کو تماشہ دکھائیں دو دو ہاتھ ہو جائیں"۔

منڈر نوجوان نے بھی بندوق پھینک دی۔ وہ برق کی سی تیزی سے توردلئے پر جھپٹا لیکن توردل پوری طرح چوکس تھا۔ منڈر نوجوان کا وار خالی ہو گیا۔ وہ سٹپٹا کر مڑا مگر اس سے پہلے کہ دوسرا وار کرتا توردلئے نے اسے زمین دکھا دی......... وہ اٹھا اور مسکراتے ہوئے توردلئے پر دوبارہ جھپٹا اس بار توردلئے نے اسے کمر سے پکڑ کر پھر سے زمین پر پٹخا اور اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ منڈر نوجوانوں نے اپنے رہنما کا یہ حشر دیکھا تو اجتماعی شکل میں یوسف زئیوں پر پل پڑے۔

یوسف زئیوں کی تعداد پانچ تھی اور منڈروں کی تعداد لگ بھگ پچیس۔ اس کے باوجود یوسف زئی نوجوانوں نے نہایت پامردی سے مقابلہ کیا۔ وہ ایک وار کرتے چار وار کھاتے......... منڈروں اور یوسف زئیوں کا خون ایک دوسرے میں خلط ملط ہوتا رہا۔

وہ ایک ایک کر کے گرتے رہے۔

توردلئے بھی زخموں سے چور ہو کر گر پڑا.........

تین منڈر نوجوان بھی کام آئے۔

کئی منڈر زخمی ہو کر بے ہوش پڑے تھے۔

جو بے ہوش نہیں ہوئے تھے' تھکے ہوئے اور نڈھال تھے۔ کم و بیش کسی نہ کسی شکل میں وہ بھی زخمی تھے۔

منڈر مدافعت اور حملے کے لئے پوری طرح تیار ہو کر آئے تھے۔ چار پانچ لڑکیاں بھی ساتھ تھیں جو اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہی تھی اور مشکیزوں سے پانی

پلا رہی تھیں۔

منڈر قبیلے کے سردار مستجاب خان کی لڑکی شمی بھی ان لڑکیوں میں شامل تھی جو زخمیوں کو پانی پلا رہی تھی۔

توردلئے زخموں سے چور بے ہوش پڑا تھا۔ شمی اس کے قریب ایک بے ہوش زخمی منڈر کے منہ پر پانی چھڑک رہی تھی۔ پانی کا کوئی قطرہ توردلئے کے ہونٹوں پر پڑا تو اس نے بے ہوشی کی حالت میں بے اختیارانہ پانی پانی کہا.........

شمی نے مڑ کر دیکھا......... اَن گنت زخموں سے چُور توردلئے کو پہلی بار اس نے بھرپور نظروں سے دیکھا۔

شاید یہ انسانی ہمدردی کا جذبہ تھا یا زخمی توردلئے کی شخصیت کا اثر ۔ یہ جانتے ہوئے کہ وہ منڈر قبیلے سے تعلق نہیں رکھتا۔ چند ثانیے سوچنے کے بعد اس نے مشکیزہ آگے کیا اور پانی پینے کے لئے کہا۔

مگر توردلِ بے خبر اور بے ہوش پڑا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

شمی نے اس کا کندھا ہلایا۔

"پانی یوسف زئی نوجوان پانی!"

توردلئے نے چند لمحوں بعد دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے شمی مشکیزہ لئے بیٹھی تھی۔ دونوں کی آنکھیں ملیں۔ شمی پانی دینا بھول گئی اور توردلئے پانی پینا بھول گیا۔

چند لمحے عجب سی کیفیت رہی لیکن شمی کو جلد احساس ہو گیا کہ وہ ایک اجنبی یوسف زئی نوجوان کے سامنے بیٹھی ہے۔ اس نے سنبھل کر مشکیزہ آگے کیا۔

"پانی.........!"

توردلئے کے ہونٹوں پر لطیف سی مُسکان پھیل گئی۔

"پیاس اور بڑھ گئی ہے۔ اب تو اباسین کا پانی بھی میری پیاس نہیں بجھا سکتا!"



"کیا مطلب.........! کیا معنی اس کے؟" وہ مضطرب ہو کر بولی۔

"تمہاری آنکھوں سے جو چشمے پھوٹ رہے ہیں، ان سے ایک دو گھونٹ پلاؤ تو شاید پیاس بجھ جائے!"

مگر شمی اب سنبھل چکی تھی۔

"سارے کے سارے زخم سینے پر کھائے ہیں جوانمرد لگے ہو پانی پلانے آ گئی ورنہ ایک یوسف زئی سے میرا کیا واسطہ؟"

"میرا نام توردلئے ہے۔ یوسف زئی قبیلے میں یہ نام ہر آدمی جانتا ہے۔"

شمی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ گم سم اسے دیکھ رہی تھی......... توردلئے نے اسی لہجے میں کہا.........

"زندہ بچ گیا تو ان سیاہ آنکھوں کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

شمی اب گھبرا گئی تھی۔ وہ تیزی سے اٹھی اور بھرا مشکیزہ اس کے چہرے پر انڈیل دیا۔

توردلِ مسکرایا۔ شمی جا چکی تھی۔ اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے پھر بند ہو گئیں.........

رات کو شمی بے چینی سے کروٹیں لے رہی تھی۔ ماں اور باپ دونوں سو چکے تھے مگر آدھی رات گزرنے کے باوجود اسے نیند نہیں آ رہی تھی......... توردلئے کے کہے ہوئے فقرے بار بار اس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔

وہ سوچ رہی تھی......... ابھی آدھی رات باقی ہے اور وہ زخموں سے چُور چُور ہے۔ اس کی مدد نہ کی گئی تو شاید مرجائے......... دشمن ہے تو کیا ہوا۔ کتنا بہادر ہے، سارے زخم چھاتی پر کھائے ہیں۔ اسے بچنا چاہیئے۔ ہاں اسے بچنا چاہیئے!

وہ بستر میں اٹھ بیٹھی.........

اس نے ماں کی طرف دیکھا۔ باپ کی طرف دیکھا اور پھر چپکے سے اٹھ کر دبے قدم دروازے کی طرف گئی' کنڈی کھولی 'باہر جانے لگی تو ماں کی آواز آئی.........

"شہی.........!"

وہ گھبرا کر مڑی۔ ماں اس کی کیفیت دیکھ کر ڈر گئی۔

"کیا بات ہے بیٹی.........؟"

شہی دوڑ کر ماں کے پاس آئی۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھا' ایک نظر باپ پر ڈالی اور پھر ماں کو کھینچتے ہوئے دوسرے کمرے میں لے گئی۔

"بات کیا ہے شہی.........؟" ماں نے حیرت سے پوچھا۔

"ماں آج کی لڑائی میں سارے یوسف زئی مر گئے لیکن ایک نوجوان شدید زخمی ہے۔ منڈر اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ آئے لیکن وہ زندہ ہے اگر اس کی مدد کی گئی تو شاید وہ بچ جائے!"

"تو تم ایک اجنبی یوسف زئی کے لئے اتنی پریشان ہو کہ آدھی رات کو اٹھ کر چل پڑیں۔ کچھ باپ کی عزت و ناموس کا خیال رکھ لڑکی۔"

"یہ عزت و ناموس کا مسئلہ نہیں ہے ماں"۔ وہ بے تابی سے بولی۔ "ایک انسان' ایک بہادر نوجوان کی زندگی کا سوال ہے۔ میں گھر سے بھاگ نہیں رہی ماں۔ اس کی زندگی کی بھیک مانگ رہی ہوں۔"

"پاگل نہ بنو شہی"۔ ماں نے اسے ڈانٹا۔ "سیاہ رات میں کہاں ٹھوکریں کھاتی پھرو گی.........؟"

"سیاہ رات سے کون ڈرتا ہے ماں' بس تم اجازت دو۔ وقت بہت کم ہے' بے موت مر جائے گا۔"

ماں چند لمحوں کے لئے سوچوں میں ڈوب گئی' شہی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر



جھنجھوڑا۔

"یہ سوچنے کا وقت نہیں ماں' بس اب مجھے اجازت دے دو۔"

"اچھا چلو میں بھی جاتی ہوں تمہارے ساتھ!"

شہی نے خوش ہو کر ماں کو چوما اور اس کا انتظار کئے بغیر تیزی سے نکل بھاگی۔

ماں ہکّی بکّی رہ گئی.........

پہاڑ کے دامن میں ایک جھونپڑا تھا۔ شہی بے ہوش توردلئے کو اٹھا کر اس ویران جھونپڑے میں لے آئی......... اس نے توردلئے کو نہایت آرام سے لٹایا۔ اس کے بٹن کھولے' زخم دھو کر صاف کئے۔ اوڑھنی پھاڑ کر جلائی اور جلی ہوئی راکھ زخموں میں بھر دی۔

وہ ساری رات اس کی تیمار داری کرتی رہی......... یہ عجیب لمحے تھے' عجیب مسرت تھی' عجیب سعادت تھی!

ایک اجنبی' ایک دشمن قبیلے کا فرد' آنکھیں ملیں' دو مکالمے ہوئے اور منڈر قبیلے کے سردار کی بیٹی تن من ہار بیٹھی۔

عجیب ہوتے ہیں یہ دل کے معاملے بھی۔

گزشتہ رات ویرانے میں گزرتی' فوری طبی مدد نہ ملتی' اتفاق سے شہی پانی پلانے والی لڑکیوں میں نہ ہوتی تو ظاہر ہے وہ مر جاتا مگر قدرت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں......... محبت کی تاریخ نے مرتب ہونا تھا' لوک گیتوں نے جنم لینا تھا اور تاریخ ہند میں ایک نئے باب نے رقم ہونا تھا۔

لمحہ لمحہ رات گزرتی رہی اور وہ لمحے لمحے میں محبت کے موتی ٹانکتی رہی۔

یہ شہی کی زندگی کی یادگار رات تھی۔

کہ نہ جان' نہ پہچان اور سچ جانو تو اس سے بڑی پہچان کوئی اور نہ تھی.........

حتیٰ کہ صبح ہو گئی.........

شہی نے پانی کے چند قطرے اس کے ہونٹوں پر ٹپکائے' توردلِ نے دھیرے سے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ شہی کی محنت اور محبت رائیگاں نہ گئی تھی۔ اسے ہوش آ رہا تھا.........

توردلِ آہستہ آہستہ آنکھیں کھول رہا تھا.........

لیکن اس سے پہلے کہ وہ آنکھیں کھولتا' صورتِ حال کو سمجھتا' شہی تیزی سے باہر نکل گئی.........

توردلئے نے حیران حیران نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بات سمجھ میں نہ آئی تو اٹھنے کی کوشش کی' اسی لمحے باہر سے آواز آئی.........

"اُوں ہوں......... اٹھنے کی کوشش نہ کریں۔ آپ کا سینہ چھلنی چھلنی ہے!"

توردلئے چند لمحے اس غیبی آواز پر غور کرتا رہا۔ زخموں پر مرہم پٹی دیکھی تو مسکرا پڑا۔

"میرے اچھے محسن' کون ہو تم' کہاں ہو تم' سامنے آؤ دیکھوں تو' نیکی کی شکل کیسی ہوتی ہے.........؟"

شہی نے مسکراتے ہوئے جواب میں کہا۔

"سنا نہیں آپ نے' نیکی کر دریا میں ڈال' میں سامنے نہیں آ سکتی"۔

"یہ کیسا انصاف ہے کہ میں اپنے محسن کی خوبصورت شکل بھی نہ دیکھ پاؤں۔"

"معافی چاہتی ہوں مجبوری ہے۔"

"ایسی مجبوری تھی تو اٹھا کر کیوں لائی' رہنے دینا تھا تاکہ اپنے انجام کو پہنچ جاتا"۔

"ایسا نہ کہو......... آپ کی زندگی بہت ضروری تھی۔ باپ کی عزت سلامت



رہے' میں نے تو اسے بھی داؤ پر لگا دیا تھا!"

"پٹھان لڑکیاں باپوں کی عزت کو داؤ پر نہیں لگاتیں۔ صبح ہو گئی ہے' اب گھر چلی جاؤ........."

عین اس لمحے قدموں کی چاپ سن کر شہی چونکی۔ اس کی ماں اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"جاؤ' اب چلی جاؤ گھر۔"

"ماں........." وہ دھیرے سے بولی۔

"رات گزر گئی ہے۔ دن طلوع ہو گیا ہے' نہ بھولو' تم کس باپ کی بیٹی ہو۔"

"ماں......... اس نے رات سے کچھ نہیں کھایا۔"

"تو اُس کی فکر نہ کر' جا گھر چلی جا۔"

شہی چپ چاپ ماں کو دیکھتی رہی۔

"جا' اس میں ہم سب کا بھلا ہے۔"

شہی نے شدتِ جذبات سے ہونٹ کاٹے اور آنکھوں میں آنسو لئے خاموشی سے چلی گئی.........

*

شہی کی ماں بڑی تمکنت سے جھونپڑے کے اندر چلی گئی۔ توردلئے حیرت اور مسرت سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔

"خوش آمدید ماں.........!"

"خدا تجھے اپنی امان میں رکھے بیٹا۔"

اس نے گھٹڑی زمین پر رکھی اور توردلئے کے قریب بیٹھ گئی۔

"یہ تو سن لیا ماں' جس نے مجھے بچایا وہ آپ کی نیک سیرت بیٹی ہے مگر یہ

حسرت دل میں رہ گئی کہ اپنے محسن کو دیکھ نہ سکا۔"

"جو کچھ ہوا ہے اب تک' اسے ہی کافی سمجھو' نہیں جانتے تمہیں بچانے کے لئے کتنے اصول ٹوٹے ہیں!"

"شکریہ ماں' لیکن اتنا تو بتا دیں کون ہیں آپ؟ کہاں رہتے ہیں؟ مجھے اپنے محسنوں کا اَتہ پتہ تو معلوم ہونا چاہیئے؟"

"تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ کوئی سوال نہ کرو۔ دونوں وقت کھانا آتا رہے گا۔ دوا دارو بھی ہوتا رہے گا' تندرست ہو جاؤ تو چپکے سے چلے جاؤ......... یاد رکھو' یہ منڈروں کا علاقہ ہے!"

"ماں' اس کا مطلب یہ ہوا' اپنے زخموں کے ساتھ یہ ارمان بھی لیتا جاؤں کہ جنوں نے مجھے دوسری زندگی دی ہے' اُن سے سدا کے لئے رابطہ ختم ہو جائے۔"

ماں نے سہارا دیتے ہوئے دودھ کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگایا۔

"سب کچھ بھول جاؤ کہ راستے میں تم سے کچھ ساتھی بچھڑ بھی گئے تھے.........!"

دودھ کا گلاس پی کر اس نے ماں کو تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"نور کی طرح سفید دودھ اور سفید دودھ کی طرح پاک ماں اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو میں بھی راضی ہوں۔"

---

شہی نے رات کا سارا واقعہ اپنی سہیلی نگارا کو سنایا تو اس نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"کہاں دل لگا بیٹھی شہی' آگ اور پانی۔ یوسف زئیوں اور منڈروں کا میل کیسا.........؟"

"یہ تو عقل کی باتیں ہیں نگارا' دل کو ان سے کیا واسطہ۔"

"اس کو پتہ ہے کہ تم نے اس کی جان بچائی ہے؟" نگارا نے پوچھا۔

"نہیں......... مَیں اس کے سامنے نہیں گئی۔ مَیں اس پر احسان کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔"

"لڑائی کے دن تو دیکھا ہو گا تمہیں اس نے؟"

"ہاں......... چند لمحوں کے لئے آنکھیں کھولی تھیں۔ پانی بھول گیا تھا۔ میری آنکھوں میں ڈوب گیا تھا' بس وہی گھڑی تو مجھے بھی لے ڈوبی ہے!"

"پھر تو امید کا دامن تھامے رکھو' چلا بھی گیا تو واپس ضرور آئے گا۔"

شہی نے خوش ہو کر اسے گلے لگایا اور دیر تک نگارا کو چومتی رہی.........

محبوب سے بچھڑنے اور دوبارہ ملنے کی آس میں بھی کیسے کیسے رنگ ہوتے ہیں.........

---

توردلئے اب تندرست ہو چکا تھا۔ ماں اسے رخصت کر رہی تھی' دونوں بے حد جذباتی ہو رہے تھے......... توردلئے بولا۔

"ماں.........! ایسا لگتا ہے میری ماں پھر سے زندہ ہو گئی ہے۔"

"دنیا کی تمام ماؤں کا دل ایک ہوتا ہے توردلئے۔ میں نے تجھے اپنی اولاد سے کم نہیں جانا۔"

"میرا سینہ ایک عجیب احساس سے بھرا بھرا ہے ماں۔ ایسا لگتا ہے میری دو مائیں تھیں' ایک نے مجھے بچپن میں جنا تھا' دوسری نے جوانی میں جنم دیا........."

"جہاں رہو خوش رہو' خدا کی امان میں رہو۔"

"ماں........." وہ التجا آمیز لہجے میں بولا۔ "ایک حسرت رہ گئی ہے دل میں؟"

ماں سمجھ گئی وہ کیا کہنا چاہتا ہے مگر کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے اور محبت سے اسے دیکھتی رہی۔

"ماں......... وہ لڑکی' وہ دوشیزہ جسے دیکھا نہیں' سنا ہے جس نے مجھے دوسری زندگی دی ہے' بس ایک نظر دیکھنے کی تمنا ہے۔ بات بھی نہیں کروں گا اس سے' بس آنکھوں آنکھوں میں اس کے احسان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں؟"

"ایسا ہو سکتا یا یہ مناسب ہوتا تو میں ضرور لاتی اسے' لیکن یہ مناسب نہیں ہے بیٹا......... وہ ایک پہاڑ کی طرح بھاری بھرکم باپ کی بیٹی ہے۔ صبر کرو ارمانوں سے بھرا ہُوا سینہ لے کر واپس جاؤ اور حسرتوں سے بھرا ہُوا دل لے کر جینا سیکھو......... تم جہاں بھی ہو گے' ماں بیٹی کے دلوں میں بسے ہوئے ہو گے۔"

تورولئے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ماں نے پیار سے اس کے آنسو پونچھے۔

"رُو مت بیٹے' امید کا دامن بہت لمبا ہوتا ہے!"

تورولئے نے شدید ردِ عمل کے ساتھ ماں کو دیکھا۔ وہ بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر ماں کی پیشانی چوم لی اور چپ چاپ سر جھکائے پہاڑ کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر چل پڑا۔

ماں جس نے بیٹی کی وساطت سے اس اجنبی یوسف زئی کو جانا تھا' خاموشی اور سنجیدگی سے اسے جاتا دیکھ رہی تھی.........

یہ سب کچھ عجیب تھا.........

انسانی نفسیات کا انوکھا کرشمہ۔

شمی ایک ایسے آدمی کو دل دے بیٹھی جو موت کی دہلیز پر پڑا ہوا تھا' جو دشمن تھا جس سے وابستگی کی کوئی توقع نہ تھی مگر اس نے تورولئے کی جان بچائی۔

اور شمی کی ماں......... جس نے فرض کو بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا اور بیٹی کے جذبات کا بھی پاس رکھا۔



شاید بڑے کردار کی پہچان یہی ہوتی ہے.........؟

*

منور خان کے حجرے میں یوسف زئی قبیلے کے معتبرین کا جرگہ بیٹھا ہُوا تھا۔ تورولئے ملزم کی حیثیت سے جرگے میں موجود تھا۔ منور خان جرگے سے خطاب کر رہا تھا.........

"بزرگو اور بھائیو......... آج کے جرگے کا مقصد آپ سب پر واضح ہے۔ منڈر قبیلے نے ہمارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ نہ صرف ہمارے قبیلے کے چار نوجوان مارے گئے بلکہ ہماری بے عزتی بھی ہوئی' ذلت اور بدنامی الگ......... مگر میں اس سلسلے میں جرگے سے صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں اگر منڈر قبیلے کے لوگ یوسف زئیوں کی حدود میں داخل ہو جائیں تو کیا وہ زندہ بچ کر جا سکیں گے؟"

"کیوں جائیں گے"۔ ایک آدمی بولا......... "دونوں قبیلوں کا معاہدہ ہو چکا ہے کہ ایک دوسرے کی سرحدوں میں داخل نہیں ہوں گے"۔

"تو گویا ثابت ہوا' معاہدے کی عزت ضروری ہے؟" منور خان بولا۔

"منور خان.........! اس بات سے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو۔ معاہدہ' معاہدہ ہوتا ہے' زبان' زبان ہوتی ہے۔ اصول بھی کبھی بدلے جا سکتے ہیں۔"

"میرا مطلب یہی تھا بابا"۔ منور خان نے گرہ لگائی۔ "کہ نہ اصول بدلتے ہیں' نہ پٹھان زبان سے پھرتا ہے اور نہ معاہدے بلاوجہ ٹوٹتے ہیں لیکن جو لوگ معاہدے توڑ دیں' اصولوں کو پامال کر دیں تو ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے گا.........؟"

"شکاری ٹولی میں تم بھی شامل تھے منور خان"۔ ایک بوڑھا بولا۔ "یہ کس طرح معلوم ہو گا کہ معاہدہ کس نے توڑا ہے.........؟"

"کم از کم منور خان نے نہیں توڑا۔" توردلئے طنز سے بولا۔ "جرگے کے معتبرین اتنی بات بھی نہیں سمجھے' منور خان نے جو اتنی لمبی چوڑی تقریر کی اس کا مطلب کیا تھا.........؟"

"مجھ پر الزام لگانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لیتے تو اچھا ہوتا توردل.........!"

"منور خان......... میں گریبان چاک کر کے جرگے کے سامنے حاضر ہُوا ہوں۔ چھاتی پر زخموں کے ان گنت نشان لے کر لوٹا ہوں۔ یہ نشان خود گواہی دیتے ہیں کہ معاہدہ کس نے توڑا ہے!"

"تو گویا تم اقرار کرتے ہو کہ معاہدہ تم نے توڑا ہے؟"

"ہاں ہاں میں نے توڑا ہے معاہدہ۔ لمبی لمبی تقریروں کے عذاب سے بچ جاؤ' اس لئے دوبارہ کہتا ہوں کہ معاہدہ میں نے توڑا ہے۔"

"تو پھر یہ بھی مان لو' میں نے تجھے منع کیا تھا کہ منذر قبیلے کی حدود میں نہ جاؤ۔"

"کیوں نہیں مانوں گا' معتبرین جرگہ' یہ سچ کہتا ہے۔ منور خان نے مجھے منع کیا تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ یوسف زئی قبیلے کے نقصان کی ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے لیکن ان دو سچائیوں کے ساتھ تیسری سچائی یہ بھی ہے کہ ہمارے شکار کی اطلاع منذر قبیلے کو منور خان نے پہنچائی تھی........."

"یہ جھوٹ ہے.........!" منور خان چیخ کر بولا۔

"یہ سچ ہے"۔ توردلئے تلخی سے بولا۔

"تم کیسے ثابت کرو گے کہ یہ سچ ہے؟" منور خان پینترا بدل کر بولا۔

"اگر سینے میں ایمان کی چنگاری رکھتے ہو تو اسے سچ ہی مانو گے۔"

"میں نہیں مانتا"۔

"تو پھر ایمان بھی نہیں رکھتے تم!"

"توردل.........!"

منور خان چیخ کر آگے بڑھا مگر ایک آدمی نے اسے پکڑ لیا۔

"توردل........." ایک بوڑھے آدمی نے اسے ٹوکا......... "کسی کے ایمان پر شک نہ کرو۔ تم اس دعویٰ کے ثبوت میں کیا کہتے ہو کہ منور خان نے تم لوگوں کی مخبری کی ہے؟"

"منصور خان کاکا' اگر چشم دید گواہ مانگتے ہو تو نہیں ہے لیکن میرا ایمان ہے' یہ کام منور خان کا ہے"۔

"تمہاری باتوں سے ثابت نہیں ہوتا کہ مخبری منور خان نے کی ہے"۔ منصور کاکا نے جواب دیا۔ " اور فرض کر لو یہ بات ثابت بھی ہو جائے تو اس کا مطلب یہ کب نکلتا ہے کہ تمہارا جرم ختم ہو گیا۔ معاہدے کی بد عہدی ہوئی ہے اور یہ بد عہدی تم نے کی ہے"۔

"میں اس سے انکار نہیں کرتا منصور خان کاکا۔"

"تو پھر سزا کے لئے تیار ہو جاؤ"۔ منور خان بولا۔ "یوسف زئی قبیلے کے چار بانکے جوانوں کا خون تمہاری گردن پر ہے"۔

"جامے سے باہر مت نکلو منور خان' اگر میں سزا سے ڈرتا تو گاؤں اور وطن واپس نہ آتا۔"

"توردلِ نے اپنی غلطی مان لی ہے"۔ منصور کاکا بولا۔ "معتبرین جرگہ جو سزا تجویز کرتے ہیں' اپنی اپنی رائے سے جرگہ کو آگاہ کریں۔ آپ کی کیا رائے ہے دلبر خان؟"

دلبر خان نے سنجیدگی سے کہا.........

"میری رائے تو یہ ہے کہ توردلئے گاؤں' قبیلہ اور وطن چھوڑ دے اور ہمیشہ

کے لئے جلا وطن کر دیا جائے۔"

"تمہاری کیا رائے ہے منور خان.........؟"

"میں جرگے کے معتبرین سے کہوں گا کہ اسے ذبح کر دیا جائے اس کی لاش کا تکہ تکہ بوٹی بوٹی کر دیا جائے۔ پھر اس کے حصے بخرے کر کے چار مقتولوں کے گھروں میں ایک ایک حصہ بھیج دیا جائے.........!"

"مجھے یہ مشورہ پسند ہے"۔ توردلئے بولا؟ "یار مر گئے' میری زندگی ان سے قیمتی نہیں"۔

"میرا خیال ہے"۔ ایک اور بوڑھا بولا........."جرگے کو اتنی سفاکی سے کام نہیں لینا چاہیئے' مجھے دلبر خان کی رائے سے اتفاق ہے۔ توردلئے کو وطن بدر کر دیا جائے۔"

"بالکل درست ہے"۔ ایک اور آدمی بولا۔

"اچھا فیصلہ ہے"۔ دوسرا بولا۔

"مجھے بھی یہ فیصلہ پسند ہے"۔ تیسرے نے کہا۔

"اگر آپ سب اس پر راضی ہیں تو مجھے بھی اعتراض نہیں ہے"۔ منصور خان کاکا نے فیصلہ سنایا۔ "توردلِ' جرگے نے متفقہ فیصلہ دے دیا ہے۔ تم آج ہی اپنا گھر' گاؤں' قبیلہ اور وطن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دو گے!"

"معتبرین جرگہ........." توردلئے گڑگڑایا......... "گولی مار دو اعتراض نہیں کروں گا۔ آنکھیں نکال دو فریاد نہیں کروں گا' ذبح کر دو اُف نہیں کروں گا لیکن مجھے پیارے وطن کی گلیوں میں مرنے دو۔ باپ دادا کی قبروں سے الگ نہ کرو!"

"فیصلہ واپس نہیں لیا جائے گا توردل خان"۔ منصور کاکا بولا۔ "بہتری اسی میں ہے آج ہی اس پر عمل ہو جائے"۔



اور پھر توردلئے گاؤں چھوڑ کر جا رہا تھا۔ قبیلہ اور وطن چھوڑ کر جا رہا تھا......... توردلئے ساتھیوں اور دوستوں ہی میں مقبول نہ تھا' گاؤں کے بڑے بوڑھے' بچے اور عورتیں سب اس سے محبت کرتی تھیں......... دراصل علاقے کے جی دار لوگوں میں اس کا نام سرفہرست تھا۔ شکار ہو، کھیل کود ہو یا مجلسی زندگی' توردلئے ہمیشہ پیش پیش ہوتا تھا۔

آوارہ گردی میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا مگر کردار میں ایسی پختگی تھی کہ ہر آدمی اس پر بھروسہ کرتا تھا۔ ایک طرح سے وہ قبیلے کی ناک سمجھا جاتا تھا......... اور اس پر سوایا کہ جری' وجیہہ اور بے حد شکیل آدمی تھا خصوصاً" عورتوں کے لئے اس میں بے پناہ کشش تھی۔

یہی وجہ تھی کہ جب وہ اپنے قبیلے اور اپنے وطن کو الوداع کہہ رہا تھا تو ہر آنکھ اشکبار تھی۔ بچے رو رہے تھے' عورتیں گریہ کناں تھیں اور مرد' ایک جوان مرد آدمی کی جدائی میں اداس اور خاموش تھے.........

توردلئے سر جھکائے آباؤ اجداد کی مٹی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ رہا تھا.........

بالآخر یوسف زئیوں کی زمین ایک مردِ جری سے خالی ہو گئی.........!

ہر ملک' ملکِ ماست کہ ملکِ خدا ما است

خدا جانے وہ کس علاقے کی طرف نکل گیا تھا۔

چند کسان بیٹھے تھے۔ ایک لوہار اپنی بھٹی پر کام کر رہا تھا۔ اس کا نوجوان لڑکا باپ کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ اچانک دس بارہ آدمیوں پر مشتمل شاہی دستے کا اُدھر سے گزر

ہوا......... لوہار کی گرم بھٹی دیکھ کر سالارِ دستہ نے رک جانے کا حکم دیا۔

وہ گھوڑے سے اتر کر لوہار کے قریب آیا اور تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"اے بڈھے......... یہ کام چھوڑ دو' پہلے شاہی گھوڑوں کی نعلیں لگا دو!"

اس سے پہلے کہ لوہار کچھ کہتا لوہار کے نوجوان بیٹے نے کہا۔

"سالار صاحب' ہم پہلے اپنے کسانوں کا کام ختم کریں گے' اس کے بعد گھوڑوں کو نعل لگیں گے"۔

"گستاخ لڑکے......... تمہاری اتنی جرأت!"

اس نے گھوڑے سے کوڑا کھینچا۔

"یعنی شاہی گھوڑوں سے زیادہ ضروری کام تمہارے کسانوں کا ہے!"

اس نے تڑاخ تڑاخ کوڑے برسائے۔ لوہار کا بیٹا تڑپ اٹھا۔ باپ سے یہ منظر دیکھا نہ گیا' اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"نادان ہے سالار صاحب' اسے معاف کر دو' شاہی کام پہلے کیا جائے گا!"

"شاہی کام پہلے نہیں کیا جائے گا.........!"

اچانک ایک آواز آئی۔ سب نے چونک کر اس طرف دیکھا' یہ توردلئے تھا!

"ظلم کے سامنے سر جھکانے کا مطلب یہ ہے کہ ظلم اور بڑھے!"

سالار نے رعونت سے کہا.........

"تم کون ہو.........؟"

"بے گناہ نوجوان پر کوڑے برسائے' اس کا جواب تو تم نے دیا نہیں' الٹا مجھ سے پوچھتے ہو کہ کون ہوں میں.........؟"

"معلوم ہوتا ہے سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلے گا۔"

سالار نے کوڑا اٹھایا توردلئے پر وار کیا......... مگر اگلے لمحے کوڑے کا دستہ توردلئے کے ہاتھ مین تھا اور کوڑے کی دم سالار کی گردن میں ' دیکھتے ہی دیکھتے سالار



کی وہ گت بنی کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔

سپاہیوں نے سالار کا یہ حشر دیکھا تو ایک ایک کر کے گھوڑوں سے کود پڑے لیکن اب توردلئے اکیلا نہ تھا' لوہار کا نوجوان بیٹا اس کی پوری دستگیری کر رہا تھا۔ دو چار کسان بھی ان کے ساتھ مل گئے اور اب شاہی دستے کا حال دیدنی تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک ایک کر کے گر گئے اور اب رحم طلب نظروں سے توردلئے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

سالار دستہ زخمی پڑا کرّاہ رہا تھا۔ توردلئے نے آگے بڑھ کر اس کی گردن پر پاؤں رکھا.........

"سنا ہے اکبر بادشاہ تو بڑا نامی گرامی بادشاہ ہے مگر تم جیسے کم عقل حاکم اسے بدنام کرتے ہیں۔"

"ہم سے واقعی غلطی ہوئی خان"۔ سالار دستہ گڑگڑایا۔ "ہمیں معاف کر دو"۔

توردلئے نے اس کی گردن سے پاؤں اٹھالیا......... اور بوڑھے لوہار کی طرف دیکھا.........

"میرا نام توردلئے ہے بابا' کبھی ضرورت پڑی تو آواز دینا۔ میں جہاں بھی ہوں گا مدد کو پہنچ جاؤں گا مگر ان شاہی لٹیروں کے سامنے کبھی سر نہ جھکانا۔"

بوڑھے کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس کے چہرے پر خوف اور تشکر کے ملے جلے جذبات تھے۔

تنور پر لوگ جمع تھے۔ بھٹیارن باری سے روٹی لگاتی اور ایک ایک کو چلتا کر رہی تھی۔ ایک نوجوان لڑکی کی باری آئی تو اس نے آٹے کا طباق آگے کر دیا' اتنے میں دو آدمی پہنچے' ان میں سے ایک بولا۔

"ٹھہر بڑھیا......... پہلے خان کی روٹی پکاؤ"۔

نوجوان لڑکی نے احتجاج کیا.........

"کتنی دیر کے بعد باری آئی تو اب تم لوگ پہنچ گئے۔"

"جا جا کام کر"۔ اب دوسرا بولا......... "کیا مطلب ہے تمہارا کہ اب خان کی روٹی بھی باری سے پکے گی.........؟"

لڑکی اَڑی رہی.........

"میں اپنی باری نہیں دوں گی۔ خان اپنے گھر میں خان ہو گا' لے اماں پہلے میری روٹی پکے گی۔"

"پہلے تیری روٹی پکے گی"۔ خان کا نوکر طنز سے بولا اور لڑکی سے طباق چھین کر ہوا میں اُچھال دیا......... طباق توردلئے کے بڑھتے ہوئے قدموں میں جا گرا.........

توردلئے نے پہلے طباق کو اور پھر طباق پھینکنے والے آدمی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر شدید ردِ عمل تھا.........

"کیوں پھینکا تم نے لڑکی کا طباق.........؟" توردلئے کے لہجے میں جواب طلبی تھی۔

"تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے"۔ اس نے تڑاخ سے جواب دیا۔

"لڑکی کا ماموں معلوم ہوتا ہے"۔ دوسرے نے طنز کیا۔

توردلئے آگے بڑھا۔ اس نے دونوں کو گردن سے پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ ایک کی گردن میں' دوسرا ہاتھ دوسرے کی گردن پر' پھر دونوں کے سروں کو اس زور سے ٹکرایا کہ اُن کی چیخیں نکل گئیں' ایک بار نہیں کئی بار۔

لڑکی کی باچھیں کھل گئیں۔ بھٹیارن اور دوسرے لوگ بھی خوش ہوئے۔ ایک نے کسی نہ کسی طرح جان چھڑائی اور بھاگ نکلا لیکن دوسرا پوری طرح توردلئے کی گرفت میں آ چکا تھا۔



"زمین پر ناک سے لکیریں کھینچو گے تب چھوڑوں گا!"

"ایک نہیں' ایک سو ایک کھینچوں گا۔ غلطی ہو گئی معاف کر دو"۔

"معافی مجھ سے نہیں لڑکی سے مانگو جس کا تم نے نقصان کیا ہے' دل دکھایا ہے"۔

"میں نقصان بھی بھرتا ہوں معافی بھی مانگتا ہوں بہن مجھے معاف کر دے"۔

"بہن مجھے معاف کر دے"۔ لڑکی نے منہ بناتے ہوئے اس کی نقل اتاری۔

"اب بہن بھی بنا لیا۔ بہن بنوں گی تو ایسے شیر بھائی کی' تم جیسے گیدڑ کو بھائی بنا کر کیا کروں گی........."

"معافی دے دو لڑکی"۔ بھٹیارن بولی......... "غیرت ہو گی تو آئندہ ایسا نہیں کرے گا"۔

"جا دفع ہو جا"۔ توردِل نے اسے دھکا دیا۔ "میرا نام توردلئے ہے پھر تم نے کسی غریب کو ستایا تو ہاتھ کاٹ دوں گا!"

"توبہ ہے توردل خان توبہ۔ مَیں تو آج سے خان کی نوکری ہی چھوڑ دوں گا۔"

✵

اور پھر وہ دن بھی آیا کہ توردلئے کے نام کا ڈنکا چاروں افق بجنے لگا۔ وہ باغی قرار دیا گیا۔ حکومت نے اس کی گرفتاری کے لئے بڑے بڑے انعامات کا اعلان کر دیا۔ اسے لیٹرا اور ڈاکو قرار دیا گیا بلکہ ڈاکوؤں کی فہرست میں اس کا نام سرِفہرست رکھا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سن کر لوگ گھروں کی کھڑکیاں دروازے بند کر دیتے تھے' کام کرتے ہوئے کسان ہل چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے' پنگھٹ پر پانی بھرتی ہوئی لڑکیاں گھڑے توڑ کر چھپ جاتی تھیں۔ اس کا نام لے کر مائیں اپنے بچوں کو ڈرایا کرتی تھیں لیکن حقیقت اس کے بالکل بَرعکس تھی۔ توردلئے

کسی غریب اور کمزور پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا۔ اس کا شکار ہمیشہ خان خوانین اور جاگیردار ہُوا کرتے تھے۔ وہ امیروں سرمایہ داروں کی تجوریاں لوٹتا تھا اور یتیموں بیواؤں میں بانٹ دیتا تھا' نہ صرف شہنشاہ اکبر کے ایوانوں میں اس کے نام کی گونج پہنچ گئی تھی بلکہ خیبر سے راس کماری تک توردلئے کا نام لوگوں کو ازبر ہو گیا تھا۔

✵

اس کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ کوئی مذاق میں بھی اس کا نام لیتا تو بڑے بڑے مجمعے بکھر جاتے تھے۔ ایک بار اسے کسی گاؤں میں مجرے کی اطلاع ملی۔ توردل نے کہا، اس مجرے کو دیکھا جائے۔ اس نے ساتھیوں کو گھوڑوں پر زینیں کسنے کے لئے کہا۔

گاؤں کے چوپال میں محفلِ رقص جاری تھا۔ طوائف کے پاؤں کی تھاپ زمین پر نہیں لوگوں کے دلوں پر پڑ رہی تھی۔ اس کا انگ انگ مچل رہا تھا' لوگ لٹ رہے تھے اور طوائف لُوٹ رہی تھی۔

آخر توردلئے کے گھوڑوں کی ٹاپ محفلِ طرب تک پہنچ ہی گئی۔

کسی نے خوف زدہ ہو کر کہا.........

"توردلئے آگیا' توردلئے آگیا!"

اور اگلے چند لمحوں میں چوپال خالی تھا' لوگ بھاگ گئے۔

سازندے بھی رفو چکر ہو گئے۔

ساز بکھر گئے۔ چاروں طرف بچھی ہوئی چارپائیاں خالی پڑی تھیں۔ البتہ ایک طوائف تھی جو بڑے غرور اور تمکنت سے بیچ میدان میں کھڑی تھی.........!

توردلئے ساتھیوں سمیت پہنچ گیا تھا......... یہ عجیب منظر دیکھ کر وہ مسکرایا۔ اس نے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ وہ دل ہی دل میں اس خوبصورت اور بہادر طوائف کو داد دے رہا تھا۔



اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا' طوائف نے بڑے دلربایانہ انداز میں رقص شروع کر دیا.........

توردلئے اور ساتھی اس دلکش رقص سے پوری طرح محظوظ ہوئے۔ ناچ ختم ہوا تو توردل نے تالی بجائی۔

"خوب بہت خوب.........!"

طوائف مسکرا رہی تھی.........

"ساری دنیا بھاگ گئی تم نہ بھاگیں.........؟" توردلئے نے خوش دلی سے پوچھا۔

"کیوں بھاگتی' برادری کے آدمی سے ڈر کس بات کا!"

"یعنی میں.........!" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "توردل ڈاکو' تمہاری برادری کا ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں' تم ڈاکو میں طوائف۔ دونوں کا کام دنیا کو لوٹنا ہے ۔ ہم دونوں ہم پیشہ ہیں توردل خان!"

"پھر قانون نے تجھے آزاد کیوں چھوڑ رکھا ہے اور میری گرفتار کے لئے انعام کیوں؟"

"مَیں ہنس ہنس کے لوگوں کو لوٹتی ہوں' تم ڈرا دھمکا کر کام چلاتے ہو"۔

"یہ فرق تو ہے طوائف!" توردلئے نے ہنس کر کہا۔

"تمہارا نام سن کر لوگ میدان سے بھاگ جاتے ہیں۔ میرا نام سن کر ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے ہیں"۔

"یہ بھی سچ کہتی ہو".........

"تمہارا نام سن کر لوگ کھڑکیاں دروازے بند کر دیتے ہیں' میرا نام سن کر تجوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں"۔

"نفرت بھی تم سے کرتے ہیں محبت بھی تم سے کرتے ہیں۔"

"سورج غروب ہو جائے تو نفرت کرنے والے بھی اس ناچیز کے سنگِ در پر سر ٹکرانے کو عزت سمجھتے ہیں!"

"بجا کہتی ہو طوائف' تمہاری باتوں کا جواب نہیں......... لاؤ نواز خان اشرفیوں کا تھیلا' اس لڑکی نے ہمیں خوش کر دیا۔"

نواز خان نے تھیلا پھینکا' توردلئے نے جھپٹ لیا اور طوائف کی طرف اچھال دیا.........

اس میں پانچ سو اشرفیاں ہیں تمہاری خوبصورت باتوں کا انعام!"

طوائف نے مسکراتے ہوئے تھیلا واپس توردلئے کی طرف پھینک دیا.........

"جان ہتھیلی پر رکھ کر روپیہ کماتے ہو' اسے طوائفوں پر ضائع مت کرو۔"

"میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں!"

"برادری کے لوگوں سے ویل لینا ہمارا دستور نہیں!"

"تم نے تو مجھے لاجواب کر دیا ہے طوائف"۔

"اس کے باوجود ہر مکالمے میں مجھے طوائف کہہ کر یاد دلاتے ہو کہ ایک ڈاکو بہرحال طوائف سے افضل ہے؟"

"جن حالات میں مَیں ڈاکو بنا ہوں اگر ایسے حالات میں تم طوائف بنی ہو تو میں تجھ سے افضل ہرگز نہیں"۔

"انسان نے جب زمین پر قدم رکھا تو یہاں کوئی طوائف نہ تھی' کوئی ڈاکو نہ تھا۔ حالات نے ڈاکو پیدا کئے' حالات نے طوائف پیدا کی' ورنہ کس کی خواہش نہیں ہوتی کہ اچھی شہرت سے جیئے اچھی شہرت سے مرے؟"

توردلئے کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی.........

"خدا کی قسم' تم نے مجھے نہیں مانا' مگر میں تجھے مانتا ہوں......... بہت عرصہ ہُوا



دو خوبصورت سیاہ آنکھوں سے وفا کا عہد کر چکا ہوں ورنہ آج کا ڈاکہ میرا آخری ڈاکہ ہوتا اور یہ سرپر غرور تمہارے قدموں میں ہوتا!"

توردلئے نے گھوڑے کی باگیں موڑیں۔ ساتھیوں نے اس کی تقلید کی' طوائف انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی.........

✵

نگارا حیرت سے بولی.........

"توبہ مشہور عالم ڈاکو توردلئے وہی ہے' ہائے تیری قسمت شمی!"

"میں کیا کرتی' میں نے اس کی زندگی بچائی مگر زندگی کی راہ پر نہ لگا سکی۔"

"میں سمجھ گئی"۔ نگارا بولی......... "یوسف زئیوں نے اسے وطن بدر کر دیا' تم نے اسے اپنا ٹھکانہ نہ بتایا' مایوس ہو کر ڈاکو بن گیا۔"

"کاش.........! اسے نام پتہ بتا دیتی۔ وہ مجھے زمین کی سات تہوں سے بھی ڈھونڈ نکالتا۔"

"کیسے اس کی تلاش کی جائے' کہاں اسے ڈھونڈا جائے۔ وہ آج یہاں ہوتا ہے کل پنجاب میں' اور اگلے دن دلی میں!"

"سفید گھوڑے پر بیٹھتا ہے"۔ شمی بولی۔ "طوفان کی طرح آتا ہے' آندھی کی طرح نکل جاتا ہے یہی اس کی پہچان ہے؟"

"شمی' ایک بات بتاؤں' جس طرح تم اس کے لئے تڑپتی ہو میرا دل کہتا ہے' وہ کبھی نہ کبھی تم سے ضرور ٹکرائے گا"۔

"ہاں نگارا......... بس اسی آس کے سہارے زندہ ہوں' مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ میرے دل و دماغ اور روح کے ہر دریچے میں توردلئے کھڑا نظر آتا ہے۔"

✵

"یہ چودھویں چاند کی رات تھی۔ توردلئے چھت سے صحن میں کود پڑا.........

منور خان' جبینہ اور ماں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے.........

"کہو برادر جان"۔ توردلئے آگے بڑھا۔ "مزاج تو بخیر ہیں نا؟"

"توردلئے بیٹا!" ماں بے ساختہ بولی۔

جبینہ سہمی ہوئی تھی۔

"کہو تربور خان مغلوں کے وفادار بن گئے' گاؤں کے سردار بن گئے۔ میری جائیداد پر قابض ہو گئے مگر بھول گئے کہ تمہارا ایک تربور بھی تھا اور اس سرپھرے کا نام توردلئے تھا.........!"

"کیا کہتے ہو بیٹے"۔ ماں گڑگڑائی تم دونوں میں تو سگے بھائیوں کی طرح پیار تھا"۔

"تربور کب بھائی بن سکتا ہے ماں۔ تربور تو بس تربور ہوتا ہے،شریک!"

"مطلب بیان کرو.........!" منور خان تمکنت سے بولا۔

"او ہو کسی شہنشاہ کے دربار میں کھڑا ہوں کہ عرض گزاروں دست بستہ سلام عرض کروں۔ میں تو پچھلا حساب چکانے آیا ہوں منور خان!"

"لالہ .........!" جبینہ رونکھی سی بولی۔

"تم چپ رہو جبینہ یہ مردوں کا معاملہ ہے شہنشاہِ اکبر کے اس نمک حلال سے میں آج کوڑی کوڑی کا حساب لوں گا!"

"میں نے چوڑیاں نہیں پہن رکھیں توردلئے"۔

"تو پھر کھڑے کیوں ہو تربور تجھے للکار رہا ہے"۔

توردلئے اُس پر جھپٹا......... دونوں گرانڈیل نوجوان تھے' پہاڑ' پہاڑ سے ٹکرا گیا تھا۔ کبھی توردلئے اوپر منور خان نیچے' کبھی منور خان اوپر توردلئے نیچے' وار پر وار کر رہے تھے......... صحن میں بچھی ہوئی تینوں چارپائیاں ٹوٹ گئی تھیں......... ماں



بیٹی سہمی ہوئی ایک کونے میں کھڑی تھیں اور دو خونخوار چیتوں کی پنجہ آزمائی دیکھ رہی تھیں۔

سارا گاؤں جاگ پڑا تھا۔ سب لوگ جان گئے تھے کہ منور خان پر کونسی آفت ٹوٹ پڑی ہے......... مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ منور خان کی مدد کو پہنچ سکے۔ توردلئے تو کئی بار شاہی دستوں کو نیچا دکھا چکا تھا' کئی بار محاصرے توڑ چکا تھا......... بے چارا اکیلا منور خان کب تک اس کا مقابلہ کرتا' توردلئے نے مار مار کر اس کا کچومر نکال دیا۔

عین قریب تھا کہ وہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا جبینہ جھولی پھیلا کر آگے بڑھی.........

"لالہ......... اپنی بہن کے پھیلے ہوئے دامن کا واسطہ' اسے قتل نہ کرنا"۔

"بیٹا.........!" منور خان کی ماں نے ہاتھ جوڑے۔ "میری خاطر' میری خاطر اسے بخش دے!!

توردلئے نے ماں بیٹی کو باری باری دیکھا اور منور خان کی چھاتی سے اٹھ کھڑا ہوا.........

"اچھا ماں' تمہاری خاطر اور جبینہ کی خاطر میں اسے جان سے نہیں مارتا لیکن یہ سکھ کی نیند نہیں سوئے گا۔ مہینے دو مہینے میں اس کی خیر خبر لینے ضرور آیا کروں گا......... خدا حافظ!"

توردلئے نے ایک نظر منور خان کی طرف دیکھا اور تیزی سے نکل گیا۔ ماں اور بیٹی نے لپک کر منور خان کو سہارا دیا اور جب وہ نیم بے ہوشی کی کیفیت سے ہوش میں آیا تو ماں نے کہا.........

"بیٹا......... اب تم گاؤں میں نہیں رہ سکتے وہ پھر آئے گا' وہ بار بار آئے گا!"۔

منور خان نے شکست خوردہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔

"میری مانو لالہ"۔ جبینہ بولی "شہنشاہِ اکبر کے پاس چلے جاؤ۔ان سے پناہ کی درخواست کرو، ان کی ملازمت کر لو۔ ماں ٹھیک کہتی ہے توردلئے لالہ تجھے سولی پر لٹکائے رکھے گا۔"

منور خان بے بسی سے دونوں کو دیکھتا رہا مگر زبان سے کچھ نہ بولا۔

*

پنگھٹ پر آٹھ دس لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں۔ یہ منڈروں کا علاقہ تھا۔ دور سے ایک گھوڑ سوار آ رہا تھا۔ لڑکیاں آپس میں چہلیں کر رہی تھیں......... حتیٰ کہ گھڑ سوار پنگھٹ کے قریب پہنچ گیا۔ وہ گھوڑے سے اترا، اسے پیاس لگی تھی۔ اس نے پیار سے گھوڑے کو تھپتھپایا اور پھر لڑکیوں کی طرف دیکھا.........

"لڑکیو، مسافر ہوں۔ پیاس لگی ہے"۔

لڑکیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"جاؤ زرینہ، پانی دے آؤ اسے"۔ ایک بولی۔

"میں کیوں جاؤں خود دے کر آؤ نا"۔ لڑکی نے جواب دیا۔

"وزیرے......... تم دے آؤ"۔ شی بولی۔

"نہ بابا مجھے تو ڈر لگتا ہے۔ سفید گھوڑا ہے کہیں توردلئے نہ ہو!"

"واہ.........! اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے"۔ شی بولی۔ "بے چارا پیاسا ہو گا، میں دے آتی ہوں۔"

اس نے کٹورہ بھرا اور گھڑ سوار کی طرف چل پڑی......... توردلئے لڑکیوں کی طرف پشت کئے اب بھی گھوڑے کو تھپتھپا رہا تھا۔

شی دو قدم پر آ کر رک گئی......... "پانی اجنبی!"



توردلئے لڑکی کی طرف مڑا......... اور اگلے لمحے بجلی سی کڑکی اور دونوں کے سینوں کے آر پار ہو گئی۔

وہ حواس باختہ، وارفتہ اور گرفتہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈوب گئے تھے، گم ہو گئے تھے، دوسری دنیا میں پہنچ گئے تھے.........

پانی کا جام اس کے ہاتھوں میں کانپ رہا تھا......... ایک بار پھر وہ پانی دینا بھول گئی تھی اور وہ پانی پینا بھول گیا تھا.........

لڑکیاں حیرت اور محویت سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ ایک نے کہا۔

"کیا ہو گیا ہے اس لڑکی کو.........؟"

"جانے کس بلا میں گرفتار ہو گئی ہے؟" دوسری بولی۔

"اور وہ اجنبی.........! وہ بھی تو.........!"

"آؤ آؤ دیکھیں۔" ایک لڑکی آگے بڑھی۔

"ٹھہرو.........!" نگارا نے اسے روکا۔ "میں جا کر دیکھتی ہوں۔"

وہ دونوں اسی طرح گم سم دنیا و مافیہا سے بے خبر محوِ دید تھے۔

نگارا پہنچ گئی......... ایک کو دیکھا، دوسرے کو دیکھا مگر دونوں نے نگارا کو محسوس نہ کیا۔

اب نگارا چونکی۔ اس نے شی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "شی شی!"

شی جیسے خواب سے جاگ اٹھی......... "پانی......... پانی.........!" وہ گھبرا کر بولی۔

"شی.........!" وہ جذبے میں ڈوب کر بولا......... "تو تمہارا نام شی ہے، شی، شی!"

"ہاں اس کا نام شی ہے" نگارا نے جواب دیا۔ "منڈروں کے سردار مستجاب خان کی لڑکی، اگر تمہارا نام توردلئے ہے تو یہ وہی شی ہے جس نے تیری جان بچائی

تھی۔"

"ہاں...... ہاں" وہ ملتجی لہجے میں بولا "ان کالی آنکھوں کو بہت ڈھونڈا بہت تلاش کیا اور آخر پا لیا تجھے' پالیا میں نے۔"

اس نے فرطِ شوق سے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ہونٹوں پر ملکوتی مسکراہٹ پھیل گئی۔

*

آدھی رات کو توردلئے کا گھوڑا سردار مستجاب کی حویلی کی دیوار کے بغل میں کھڑا ہو گیا۔ توردلئے نے اس کی پشت پر پاؤں رکھے اور دیوار پھاند کر چھت پر پہنچ گیا......

مختلف چھتیں پھلانگتا ہوا آخر وہ اس چھت پر پہنچ گیا جہاں اس کی کالی آنکھیں محوِ خواب تھیں...... کافی دیر تک وہ سوئی ہوئی شہی کے حسنِ خوابیدہ میں محو رہا...... اس کی نظر شہی کی انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی پر پڑی تو مسکرا دیا......

اس نے شہی کا پھول سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آہستہ آہستہ انگوٹھی اتار لی۔ پھر اپنی انگوٹھی اتار کر شہی کی انگلی میں ڈال دی۔ شہی کی انگوٹھی کو پیار سے چوما' آنکھوں سے لگایا اور پھر انگلی میں ڈال لی...... اب شہی کو جگانے اور اس سے باتیں کرنے کا خیال بدل گیا تھا...... اس نے سوچا...... آج اتنا ہی سہی!

صبح اٹھے گی اور غیر متوقع اپنی انگوٹھی غائب اور میری انگوٹھی اپنی انگلی میں دیکھے گی تو بہت محظوظ ہو گی۔ بہت حیران ہو گی اور شاید افسوس بھی کرے کہ مجھ سے باتیں نہ کر سکی۔

اس نے شربتِ دیداری پر اکتفا کیا اور مرغ کی پہلی بانگ تک ٹکٹکی لگائے شہی کو دیکھتا رہا۔

صبح ہوئی ...... سماوار کے پاس بیٹھی شہی منہ ہاتھ دھو رہی تھی کہ معاً اس کی نظر انگلی پر پڑی۔ اس نے حیرت سے نئی انگوٹھی کو دیکھا' اس پر توردلئے کا نام کندہ تھا...... وہ بری طرح بدکی اور گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے مضطربانہ ہونٹ کاٹے۔

ماں یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ شہی کا رویہ معمول کا رویہ نہیں ہے اور وہ کسی حادثے سے دو چار ہوئی ہے۔ وہ چپکے سے شہی کی پشت پر آ کر کھڑی ہو گئی......

شہی نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ اٹھایا۔ وہ ایک بار پھر انگوٹھی پر توردلئے کا نام پڑھنا چاہتی تھی......

ماں نے انگوٹھی پر کندہ نام دیکھ لیا تھا۔ حیرت و استعجاب سے اسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔

شہی نے انگوٹھی پر ہونٹ رکھ دیئے۔ وہ اپنے طور پر سرشار ہو رہی تھی...... ماں اپنی جگہ پریشان تھی۔

شہی کو خیال آیا' سب سے پہلے یہ خبر نگارا کو سناؤں گی۔ وہ تیزی سے پلٹی مگر ماں کو سامنے کھڑا دیکھ کر اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ چند لمحے دونوں حیران اور پریشان نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔

"کہاں چلیں......؟" ماں نے پوچھا۔

"کہیں نہیں......!" وہ گھبرا کر بولی۔

"رات توردلئے آیا تھا......؟"

شہی خاموش رہی وہ ٹکر ٹکر ماں کو دیکھ رہی تھی۔

"میں پوچھتی ہوں' رات توردلئے آیا تھا؟"

"ہاں.........!" اس نے اثبات میں سرہلایا۔

"کیا کہنے' کیا کرنے' اسے کیسے معلوم ہُوا کہ تم شہی ہو؟"

"وہ آیا تھا مگر میں اس سے ملی نہیں' اس سے بات نہیں کی"۔

"اس کا کیا مطلب.........؟ یہ انگوٹھی تجھے کون دے گیا ہے؟"

"میں سو رہی تھی۔ وہ میری انگوٹھی نکال کر لے گیا اور اپنی انگوٹھی میری انگلی میں ڈال گیا!"

"اس کی یہ جرأت.........؟" ماں بھڑک اٹھی۔

"اس کی جرأت کی تو ایک دنیا اعتراف کرتی ہے ماں!"

"ہوش کرو شہی' ایک ڈاکو سے اس قدر متاثر ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اگر وہ ڈاکو ہوتا تو مجھے زبردستی گھوڑے پر بٹھا کر لے جاتا' کون اس کا راستہ روک سکتا تھا۔ توردلئے کا نام سن کر تو گاؤں کے گاؤں خالی ہو جاتے ہیں مگر وہ رات کی تاریکی اور خاموشی میں آیا' کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی' کسی ڈاکو کے کردار میں اتنا حوصلہ اور صبر ہوتا ہے ماں.........؟"

"شہی.........! محبت کی دلدل سے باہر نکل کر ماں سے بات کرو۔ تم سردار مستجاب خان کی بیٹی ہو۔ خانوادوں کی بیٹیاں محبت کے منطق کے لئے نہیں' خاندان کے وقار کے لئے جیتی مرتی ہیں"۔

"ماں......... انسان کے جسم میں دوڑنے والے خون پر اپنی مرضی مسلط نہ کرو۔ انسان کی روح کبھی دھوکہ نہیں کھاتی۔ میں نے اسے پہلی نظر میں پہچان لیا تھا......... ایک بار اس کی زندگی بچائی تھی' دوسری بار ضرورت پڑی تو اس پر اپنی زندگی نچھاور کر دوں گی!"

ماں' بیٹی کے نئے چہرے اور نئے لہجے پر حیران رہ گئی کہ اتنے میں سردار مستجاب خان اندر آ گیا۔



"کیا رازو نیاز کی باتیں ہو رہی ہیں' ماں بیٹی میں.........؟"

بیگم مستجاب خان سنبھل کر ہنس پڑی۔

"رازو نیاز کونسا یونہی بحث ہو رہی تھی۔"

"بحث میں ہماری بیٹی سے کون جیت سکتا ہے۔ کیوں شہی بیٹے میں ٹھیک کہتا ہوں نا؟"

شہی مسکرا کر کھسک گئی۔ بیگم نے پوچھا۔

"مہمان کون آیا ہے.........؟"

"وہی بتانے آیا ہوں' ہمارا دوست پنڈت بھگوان داس آیا ہے"۔

"اچھا' پنڈت لالہ آئے ہیں"۔

"آداب کہہ رہے تھے۔ ان کی لڑکی نے بھی تمہیں سلام کہا ہے اور ہاں بھول تو نہیں گئیں' لالہ جی گوشت نہیں کھاتے۔"

"واہ......... پہلی بار تھوڑے آئے ہیں۔آپ فکر نہ کریں' سب انتظام ہو جائے گا۔"

"تمہارے ہوتے ہوئے ہم فکر کبھی نہیں کرتے بیگم۔ ہم جانتے ہیں منڈروں میں ایک ہی ہیرا تھا اور وہ ہمارے حصہ میں آیا۔"

✵

شہی نگارا کے گھر پہنچ کر اس سے لپٹ گئی۔

"اری کیا ہُوا.........؟" اس نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

"وہ آیا تھا' وہ رات آیا تھا!"

"توردلئے.........؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں......... میں کم بخت سو رہی تھی' وہ اپنی انگوٹھی میری انگلی میں ڈال گیا

ہے اور میری انگوٹھی نکال کر لے گیا ہے!"

"اور تجھے خبر بھی نہ ہوئی.........؟"

"کہہ تو دیا' سو رہی تھی مگر نصیبا جاگ رہا تھا۔"

"دکھاؤ انگوٹھی.........؟"

"نہیں......... اس پر اس کا نام کندہ ہے۔"

"تو کیا ہُوا......... پاگل ہوئی جا رہی ہو' مجھ سے چھپاتی ہو۔"

شی ہنس پڑی.........

"واقعی خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔ لو دیکھو' تم نے ایک دن کہا تھا نا' کسی دن ٹکراؤ ضررو ہو گا تو ہو گیا نا ٹکراؤ۔ آخر من کا سودا بار بار تھوڑا ہی ہوتا ہے' ایک ہی تو ہوتا ہے جو زندگی میں طوفان برپا کر دیتا ہے......... وہی ہوتا ہے پہلا بھی اور آخری بھی' برباد بھی وہی کرتا ہے آباد بھی وہی کرتا ہے......... انوکھی نگری ہوتی ہے من کی.........!"

"شی.........!" نگارا نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ پکڑ کر کہا۔ "تمہاری آنکھوں کی چمک دیکھ کر میرا بھی دل مچلا ہے کہ کسی اجنبی سے ملاقات ہو جائے.........!"

"ہاں ضرور.........! محبت کے بغیر عورت مکمل نہیں ہوتی۔"

"یہ تو سب ٹھیک ہے"۔ نگارا نے کہا۔

"لیکن سوچتی ہوں تم کتنے بڑے باپ کی بیٹی ہو' ایک ڈاکو سے رشتے پر تمہارا باپ کیسے راضی ہو گا؟"

"محبت ان باتوں کو نہیں سوچتی نگارا' محبت کرنے والے صرف محبت کرتے ہیں۔ توردلئے نے بھی محبت کی ہے۔ میں ساری دنیا کو للکار کر کہہ سکتی ہوں کہ جو دل محبت کے نور سے منور ہو جائے اُس میں جرم نہیں پنپ سکتا!"



"شی.........!" نگارا نے اسے گلے لگایا۔ "خدا تجھے اپنی امان میں رکھے!"

✵

رات کا پہلا پہر تھا......... وہ دونوں گھوڑے سے اترے' یہ وہی جھونپڑا تھا' وہی پہاڑ کا دامن' جہاں ایک دن شی زخمی توردلئے کو اٹھا کر لے آئی تھی۔

اس نے ماچس نکال کر جلائی' شی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ توردلئے مسکراتا ہُوا روشنی اس کے چہرے کے قریب لے گیا۔

شی نے شرارت سے آنکھیں جھپکائیں۔ توردلئے نے گہری عقیدت سے کہا.........

"وہی پہاڑ کا دامن' وہی جھونپڑا' وہی آنکھیں' تم نے یہیں میری زندگی بچائی تھی مگر اپنا خوبصورت مکھڑا چھپا لیا تھا۔"

شی مسکرا پڑی.........

"میرا دل کہتا تھا مجھے بچانے والی ہستی وہی ہو گی جس نے پیار بھرے غصے میں میرے منہ پر مشکیزہ انڈیل دیا تھا!"

"میں نے ثواب کمایا تھا مگر نتیجہ الٹ نکلا"۔ وہ شرارت سے بولی۔

"الٹ کیوں......... میں زندہ سلامت تمہارے سامنے موجود ہوں"۔

"مگر ایک نامی گرامی ڈاکو کی حیثیت سے!"

"تم بھی مجھے ڈاکو سمجھتی ہو شی.........؟"

"میرے نہ سمجھنے سے دنیا کی زبانیں بند نہیں ہو جائیں گی"۔

"دنیا کی پروا کون کرتا ہے شی' ساری دنیا ایک طرف تمہاری پلکوں کی چھاؤں دوسری طرف' تم میرے ساتھ ہو گی تو میں اس دنیا کو ٹھوکر مار کر ستاروں میں جا بسوں گا!"

"بچوں کی سی باتیں نہ کرو توردلِ!"

"ماں.........!"

دونوں نے چونک کر اُدھر دیکھا۔ دونوں نے بیک وقت ماں کی آواز کو پہچان لیا تھا.........

"سیانے سے سیانا آدمی بھی محبت میں مبتلا ہوتا ہے تو احمقوں کی طرح باتیں کرتا ہے۔" ماں نے سنجیدگی سے کہا۔ "ستاروں کی باتیں چھوڑ دو زمین پر واپس آ جاؤ اور زمین پر رہنے والوں کی طرح باتیں کرو!"

"زمین پر رہنے والوں سے بات کرتا ہوں تو وہ مجھے ڈاکو کہتے ہیں۔ میں وہ نہیں ہوں ماں جو لوگ کہتے ہیں۔ میں اپنی ماں کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں پیدا ہی اس لئے ہُوا ہوں کہ شی سے محبت کروں' دنیا میں اس سے بڑا سچ دوسرا نہیں ہے ماں !"

"میں اس سچ کو تسلیم کرتی ہوں بیٹا' مگر تم بھی اس سچ کو تسلیم کر لو کہ شی تمہاری نہیں بن سکتی۔"

"ماں.........!" شی نے احتجاج کیا۔

"یہ ایک ایسی زہریلی حقیقت ہے کہ ہم سب کو گھونٹ گھونٹ پینا پڑے گی"۔

"ماں......... ایک بار آپ نے زخمی توردلئے کے راستے سے ہٹایا تھا' میں ہٹ گئی تھی۔ آپ نے منڈر قبیلے کی عزت کا واسطہ دیا تھا' میں مان گئی تھی لیکن کیا ضروری ہے' بیٹی ہی مانتی چلی جائے ماں اس کے لئے کچھ نہ کرے' باپ اس کے لئے کچھ نہ سوچے؟"

"ہوش میں آؤ شی"۔ ماں نے اسے ڈانٹا ۔

"آپ تو مجھے ہمیشہ بے ہوش ہی پاتی ہیں ماں لیکن اس بے ہوشی کی ایک بات دامن میں باندھ لیں کہ میں نے سچ کو پا لیا ہے اور سچ کے اس راستے سے مجھے دنیا کی



کوئی طاقت نہیں ہٹا سکتی!"

"شی.........!" اب کے توردلئے نے ٹوکا۔

"ڈاکو.........!" وہ چیختی ہوئی بولی......... "جاؤ' میرے باپ کے پاس جاؤ' اسے سمجھاؤ کہ تم ڈاکو نہیں ہو۔ اسے بتاؤ' اس کی خوشامد کرو' اسے کہو تم یوسف زئی نہیں' منڈر نہیں صرف انسان ہو ۔ اس سے مانگو' شی کی بھیک مانگو' شی کا رشتہ مانگو' اس کی منت کرو کہ تیرا کہا مان جائے......... نہیں مانتا تو پھر ڈاکو بن جاؤ مجھے اٹھا کر لے جاؤ' مجھے زبردستی اٹھا کر لے جاؤ.........!"

شی زارو قطار رو پڑی اور تیزی سے بھاگتی ہوئی چلی گئی۔

توردلئے اور ماں ہکا بکا کھڑے رہ گئے......... ان میں اتنی سکت باقی نہ تھی کہ ایک دوسرے سے بات کر سکیں۔

بات تو شی نے ختم کر دی تھی !

*

اگلے دن سردار مستجاب خان حجرے میں بیٹھا تھا۔ چلم کا دَور چل رہا تھا۔ چھ اور لوگ بھی موجود تھے۔

توردلئے حجرے میں داخل ہوا' حاضرین کو سلام کیا۔ سر سے پگڑی اتاری اور آگے بڑھ کر سردار مستجاب خان کے پاؤں پر ڈال دی......... اور دونوں ہاتھ سردار مستجاب خان کے پاؤں پر رکھ دیئے۔ حجرے میں موجود سارے لوگوں کو اس حرکت پر شدید حیرت ہوئی۔

خود سردار مستجاب خان پریشانی کی حد تک حیران ہُوا۔

"کون ہو تم؟ کیا مانگتے ہو نوجوان؟" سردار نے حیرت سے پوچھا۔

"زندگی میں پہلی بار کسی کے پاؤں پڑا ہوں۔ زندگی میں پہلی بار یہ گردن خم

ہوئی ہے اور زندگی میں پہلی اور آخری بار کسی سے بھیک مانگ رہا ہوں.........!"

"میں پوچھتا ہوں کون ہو تم؟" سردار نے مزید تعجب سے پوچھا۔

"بار خاطر نہ ہو تو تخلیہ کر لیجئے' موضوع بہت نازک ہے!"

"تم میرے دوستوں کی توہین کر رہے ہو اجنبی"۔

"میں آپ کے دوستوں کو سلام کرتا ہوں اگر مجبوری نہ ہوتی تو ایسی گستاخی نہ کرتا"۔

"میرے دوست یہیں رہیں گے' تم اپنا مطلب بیان کرو اور بتاؤ تم کون ہو؟"

"تعارف کرانے سے پہلے میں سردار سے درخواست کروں گا کہ میری دوخواست کو رد نہ کریں"۔

سردار مستجاب چند لمحے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا پھر تحمل سے بولا۔

"پگڑی سر پر رکھ لو' آرام سے بیٹھ جاؤ اور مدعا بیان کرو"۔

توردلئے نے پگڑی اٹھا کر سر پر رکھ لی اور چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"بولو.........کیا کہنا چاہتے ہو؟" سردار کے لہجے میں سختی کی جگہ ٹھہراؤ تھا۔

"چھوٹا منہ بڑی بات.........میں آپ کی فرزندی میں آنا چاہتا ہوں!"

"اجنبی.........!" سردار مستجاب چیخ کر کھڑا ہو گیا........."تم منذر قبیلے کے سردار مستجاب خان سے مخاطب ہو۔ تم نے یہ تک بھی نہ سوچا کہ ایک سردار کی بیٹی کا رشتہ مانگنے کے آداب کیا ہوتے ہیں"۔

"مجھے اپنی بے ادبی کا اعتراف ہے سردار"۔ توردلئے نرمی سے بولا۔ "لیکن اسے میری بدبختی سمجھیں' میں اس کے لئے مجبور تھا۔ میرا مسئلہ اتنا پیچیدہ ہے کہ کوئی دوسرا میری مدد نہیں کر سکتا!"

"تمہاری ساری مجبوریاں جاننے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم ہو کون.........؟"





"میں پھر وہی گستاخی کروں گا......... پہلے وعدہ کریں' میری درخواست رد نہیں ہو گی؟"

"میں کوئی وعدہ نہیں کروں گا اور جاننے کے بعد بھی تم سے ایک سو بار پوچھوں گا کہ تم نے سردار مستجاب خان کے گھر کو اس مذاق کے لئے کیوں پسند کیا.........؟"

"آپ سو بار پوچھیں مگر میں ایک بار پھر کہوں گا کہ اپنا نام بتا کر میں محترم سردار کو مزید پریشان کرنا پسند نہیں کرتا........."

"اپنے جامے میں رہو اجنبی"۔ اب کے ایک اور بھاری بھر کم آدمی بولا۔"اس علاقے میں ایسا کوئی نام نہیں ہے' جسے سن کر سردار مستجاب پریشان ہو جائے........."

توردلئے نے اس آدمی کی طرف دیکھا۔

"ایک نام ایسا ہے دوست جسے سن کر لوگ پریشان ہو جاتے ہیں اگر آپ مجبور کرتے ہیں تو بتانے میں عذر نہیں کروں گا"۔

"ہاں ہم تجھے مجبور کرتے ہیں۔" مستجاب بولا........."نام بتائے بغیر تم اس حجرے سے باہر نہیں جا سکتے"۔

توردلئے مسکرایا اور ہولے سے بولا۔

"مجھے......... توردلئے کہتے ہیں دوستو!"

سردار مستجاب خان دو قدم پیچھے ہٹ گیا........."توردلئے ڈاکو!"

دوسرے لوگ بھی چارپائیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ!" توردلئے نرمی سے بولا۔"میں ڈاکو بن کر نہیں بیٹا بننے کی آرزو لے کر آیا ہوں"۔

"یہ کیا مذاق ہے۔ توردل کیا مذاق ہے؟" سردار مستجاب بے بسی سے بولا۔

"یہ مذاق نہیں سردار......... میں نے مظلوموں اور غریبوں کی خاطر امیروں

کے گھر ضرور لوٹے ہیں۔ میں نے بے کسوں پر قانون کی نا جائز بالادستی کو ضرور للکارا ہے لیکن یقین کریں میں بنیادی طور پر ڈاکو نہیں ہوں۔ میرے دل میں تھوڑی بہت بدی ضرور ہو گی مگر اس کے مقابلے میں میرا سینہ نیکیوں سے بھرا پڑا ہے......... مجھے شریفانہ زندگی گزارنے کا موقع نہیں دیا گیا......... آپ کی دہلیز پر اچھی نیت سے قدم رکھنے کی یہ آخری کوشش ہے شریفانہ زندگی گزارنے کی یہ آخری سعی ہے......... اگر آپ نے مجھے مایوس کیا تو پھر درندہ بننے کے سوا چارہ ہی کیا رہ جائے گا؟"

"توردل......... تم نے مجھے کس امتحان میں لا ڈالا ہے۔" وہ جھنجلا کر بولا۔

"تمہاری باتوں میں وزن سہی لیکن میں دنیا کو کیا منہ دکھاؤں گا' لوگ کیا کہیں گے کہ میں نے ایک مجرم سے بیٹی کا رشتہ طے کر دیا ہے؟"

"ایک بار یہ احساس دلا دیں سردار کہ محبت نے مجھے اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ پھر میں جانوں اور لوگ جانیں۔ میں ساری دنیا سے نمٹ لوں گا۔"

"نہیں نہیں' یہ نہیں ہو سکتا' ایک تم ڈاکو' اس پر یوسف زئی' میں زندہ درگور ہو جاؤں گا"۔

"سردار......... میں ڈاکو نہیں رہنا چاہتا۔ میں یوسف زئی بھی نہیں رہنا چاہتا' میں انسان بننا چاہتا ہوں۔ مجھ پر انسان بننے کے راستے بند نہ کریں۔"

"انسان بننے کے لئے تم نے میرے گھر کا راستہ کیوں چنا ہے۔ چلے جاؤ توردل خدا کے لئے چلے جاؤ۔ اتنی وسیع دنیا آباد ہے کہیں بھی گھر آباد کر لو۔ میرا گھر ویران کرنے پر کیوں تل گئے ہو؟"

"دوسروں کے گھروں کا راستہ نہ دکھاؤ سردار......... عورت ہی مقصد ہو تو پلک جھپکنے میں ایک ہزار ایک لڑکیاں جمع ہو سکتی ہیں مگر میں تو محبت کی تلاش میں نکلا ہوں......... نہ بھولیے کہ میں اپنی محبت کا پیچھا کرتے کرتے یہاں تک پہنچا ہوں!"

"تم مجھے پاگل کر دو گے!" سردار مستجاب خان چیخا۔



"سردار......... قبیلے سے نہ ڈرو' دنیا والوں کی باتوں کی پروا مت کرو۔ ایک بھٹکے ہوئے انسان کو منزل پر پہنچانے کا خدا نے آپ کو موقع دیا ہے۔ اس موقع کو ضائع نہ کرنا یہ موقع آپ کو بار بار نہیں ملے گا........."

"نہیں نہیں۔!" اس کی آواز بھرّا گئی۔ "توردل نہیں یہ میری آن کا سوال ہے۔ مجھے اور کچھ نہ کہو' کچھ نہ بولو' مجھ سے نہیں' یہ نہیں ہو گا نہیں ہو گا"۔

وہ دھاڑیں مارتا ہُوا نکل گیا......... توردلئے متین اور سنجیدہ کھڑا تھا۔ دوسرے لوگ خاموش سرجھکائے ہوئے تھے۔ ان کے سردار پر جو آفتاد آپڑی تھی' ان کو اس کا شدید احساس تھا مگر سامنے توردلئے کھڑا تھا۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن والا معاملہ تھا۔

بیگم مستجاب مضطرب کھڑی تھی۔ تقدیر نے ان کے خانوادے کو کس طرح شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔ ان کی اکلوتی اور چہیتی بیٹی نے پلک جھپکنے میں خونی رشتوں اور جذباتی رابطوں کا فاصلہ بتا دیا تھا۔ سردار مستجاب گریہ کناں' پریشان حال بیوی کے کمرے میں داخل ہوا.........

"ہم تباہ ہو گئے بیگم ہم برباد ہو گئے' ہم کہیں کے نہ رہے!"

بیگم نے تسلی کے انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا.........

"میں نے سب سن لیا ہے سرتاج' سب سن لیا ہے!"

"تم نے سب سن لیا ہے؟" وہ حیرت سے بولا۔

"ہاں......... آپ نے انکار کر دیا ہے۔ آپ نے شمی کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا نا؟"

"میں اور کیا کر سکتا تھا بیگم' میں نے ٹھیک کیا ہے نا؟"

"آپ کے انکار سے خاندان کی عزت مزید خطرے میں پڑ جائے گی!"

"بیگم.........!" وہ گھبرا کر بولا۔

"جو کچھ ہو رہا ہے' اس کا دکھ مجھے آپ سے کم نہیں ہے لیکن وقت کا تقاضا کچھ اور ہے......... یہ امتحان کا وقت ہے' ہماری آزمائش کا وقت ہے"۔

"تمہاری رائے کو میں نے ہمیشہ مقدم سمجھا ہے بیگم۔ خدا کے لئے اپنے شوہر کو اس دلدل سے نکال لو۔"

"سرتاج.........میں سمجھتی ہوں' یہ توردلئے کی شرافت ہے کہ وہ آپ کے سامنے گڑگڑا رہا ہے۔ خوشامد کر رہا ہے، بھیک مانگ رہا ہے، ورنہ ہم جانتے ہیں' وہ کیا نہیں کر سکتا.........!"

"کیا کہنا چاہتی ہو بیگم! کیا میں ایک ڈاکو سے بیٹی کا رشتہ کردوں؟"

"ٹھنڈے دل سے سوچیں سرتاج' حقیقت چاہے کتنی تلخ کیوں نہ ہو' حقیقت بہرحال حقیقت ہوتی ہے۔ اس کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے"۔

"یعنی آپ کہنا چاہتی ہیں' مجھے یہ رشتہ قبولنا ہو گا؟" وہ متذبذب لہجے میں بولا.........

"توردلئے کو رشتہ دے کر آپ بدنام ضرور ہوں گے لیکن یہ بدنامی اس بدنامی سے بہت کم ہو گی' جب توردلئے آپ کی لڑکی کو زبردستی اٹھا کر لے جائے گا.........!"

"بیگم.........!" وہ تقریباً روتے ہوئے چیخا۔

"اس کا نام توردلئے ہے سرتاج اور توردلئے وہ شخص ہے کہ اکبر اعظم کے پنج ہزاری اور دس ہزاری تعلقہ داروں کو بھی نیچا دکھا چکا ہے"۔

"تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں اسے رشتہ دے دوں"۔ وہ انکاری لہجے میں بولا۔

"ایک اغوا شدہ بیٹی کا باپ کہلوانے کے مقابلے میں یہ زیادہ بہتر ہو گا کہ رضامندی سے شمی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں؟"

"میں خود کشی کر لوں گا بیگم' میں مرنا پسند کروں گا"۔

"لوگ یہی کہیں گے نا کہ حالات کا مقابلہ نہ کر سکے۔ توردلئے سے ڈر گئے'



اکلوتی لڑکی کو ڈاکو کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے اور قیامت تک لوگ ان باتوں کو دہراتے رہیں گے!"

"تو کیا یہ مناسب ہو گا' ایک ڈاکو سے رشتہ جوڑ دوں پھر لوگوں کی انگلیاں نہ اٹھیں گی.........؟"

"انگلیاں تو جب بھی اٹھیں گی تب بھی اٹھیں گی لیکن تاریخ میں یہ بات ضرور رقم ہو گی کہ منڈروں کے سردار مستجاب خان نے ایک بُرے آدمی کو اچھا آدمی بننے کا موقع فراہم کیا.........اور یہ بھی کہ ایک روایت پسند باپ نے عام ڈگر سے ہٹ کر بیٹی کے جذبات کو مٹی میں ملانے سے بچا لیا!"

"مجھے کچھ نہیں سوجھتا بیگم' مجھے تمہاری کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی جو مرضی ہے کرو.........انکار کرو تمہاری مرضی' اقرار کرو تمہاری مرضی' میں اپنا فیصلہ خدا پر چھوڑتا ہوں۔ تم پر چھوڑتا ہوں"۔ وہ روتا ہوا نکل گیا۔

مگر عین اس لمحے شمی اندر آ گئی اور ماں کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

ماں شکست خوردہ لہجے میں بولی۔

"تمہارے باپ کو قائل کرنے کے لئے میں نے جو کچھ کہا ہے' مجھے خود اس پر یقین نہیں ہے۔ ہارے ہوئے لوگوں کی باتوں میں یقین کہاں سے آئے گا۔ میں نے مستجاب کو اس سے پہلے بھی اتنا دکھی کبھی نہیں دیکھا"۔

"آج پہاڑ کے آنسو نکل آئے' آج پہاڑ چت ہو گیا۔ جاؤ شمی شادیانے بجاؤ' ہندوستان کے کونے کونے میں خبر کر دو کہ جوان بیٹیوں کے باپوں کو اونچے شملے باندھنے کا حق نہیں ہوتا!"

ماں رو پڑی اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

شمی ہکّی بکّی کھڑی رہ گئی.........وہ ماں باپ کے دکھ پر حیران تھی مگر ایک بات طے تھی اور عیاں.........

کہ اس نے محبت کی جنگ میں توردلئے کو جیت لیا تھا......... اور کہا جاتا ہے......... کہ محبت کی جنگ میں ہر بات جائز ہوتی ہے!

اور پھر ڈھولک بجی مہندی رچی اور طوائف ناچی.........!

سردار مستجاب خان کسی کونے کھدرے میں پلنگ پر پڑا آنسو بہاتا رہا لیکن شادی تو ہونا تھی، ہو کر رہی اور دھوم دھام سے ہوئی۔

منڈر حیران، یوسف زئی حیران، مرد حیران، عورتیں حیران کہ انہونی ہونی بن گئی.........

مگر تاریخ میں ایسے واقعات مل ہی جاتے ہیں کہ ناممکن، ممکن ہوا، افسانہ حقیقت بنا، تصور مجسم ہُوا اور خواب، عمل بن گیا۔

آج توردلئے کی سہاگ رات تھی.........شہی دلہن بنی بیٹھی تھی اور توردلئے دلہا.........

توردلئے کمرے میں داخل ہُوا تو شہی نے گھونگھٹ کھینچ لیا۔ توردلئے مسکرایا، دروازہ بند کیا اور اس کے قریب مسہری پر بیٹھ گیا......... چند لمحے خاموشی رہی ذومعنی، پُراسرار اور روحانی۔ اس نے ہولے سے گھونگھٹ اٹھایا۔ شہی کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کی روشن پیشانی پر جھومر چمک رہا تھا اور اس کا گلابی چہرہ جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔

کسی نے دنیا میں ایسی خوبصورت دلہن کم کم دیکھی ہو گی۔

"اور کیا مانگوں خدا سے!" توردلئے فرطِ شوق سے بولا۔ "آج زندگی کی تکمیل ہو گئی ہے"۔



بظاہر خاموش تھی مگر اس کے باطن میں پھول ہی پھول کھل رہے تھے۔

توردلئے نے اس کی ٹھوڑی اٹھائی۔

"کھول دو یہ روشن آنکھیں تاکہ یہ خوبصورت دنیا اور زیادہ روشن ہو جائے........."

شہی نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں.........

دونوں نے بھرپور نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا.........

"خدا کی قسم......... روئے زمین پر ان سیاہ آنکھوں سے خوبصورت چیز دوسری نہیں ہو گی!"

"بہت خوش ہو آج.........؟" شہی کے ہونٹوں کے گوشوں میں پھول کھل گئے۔

"کیوں نہیں......... آج منڈر قبیلے کا سارا حسن تمہارے وجود میں مجسم ہو کر میری گود کی زینت بن گیا ہے۔ آج تو ہندوستان کا بادشاہ اکبراعظم بھی میری قسمت کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا!"

"کیا تحفہ لائے ہو شہی کے لئے؟" اس کے لہجے میں دبی دبی سی شرارت تھی۔

"اپنے آپ کو، شہی کے لئے توردلئے سے بڑا تحفہ اور کیا ہو گا"۔

"میرا خیال تھا سہاگ رات کو اکبر بادشاہ کی بیگم کا "ست لڑا ہار" پہناؤ گے اپنی دلہن کو!"

"شہی.........!" وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔ "یعنی بادشاہ بیگم کا "ست لڑا ہار" میری محبت سے زیادہ ضروری ہے تمہارے لئے؟"

"توردلِ.........!" شہی کو اپنی غلطی کا احساس ہُوا۔ "میں مذاق کر رہی تھی تم سے!!"

"شہی.........! سہاگ رات حرام ہے مجھ پر جب تک بادشاہ بیگم کا "ست لڑا

ہار" تمہارے گلے کا ہار نہیں بن جاتا' واپس نہیں آؤں گا"۔

توردلئے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

شمی چیخ کر دوڑی اور توردلئے کو دروازے میں جا پکڑا.........

"توردل......... میری زبان کاٹ دو' خدا کی قسم میں سنجیدہ نہیں تھی"۔

"مگر میں سنجیدہ ہوں شمی......... تم نے ایک ڈاکو سے شادی کی ہے اور ڈاکوؤں سے دنیا ہمیشہ زر و جواہر کی طمع رکھتی ہے۔"

"توردل پیارے!" شمی گڑگڑائی........."میرا سینہ چیر کر دیکھ لو' شاید تمہیں یقین آ جائے اگر تم چلے گئے تو دنیا کیا کہے گی' شمی اتنی کم اصل تھی' شوہر کو ست لڑے ہار پر بدل دیا۔"

"قصہ ختم ہو گیا شمی!" توردلئے فیصلہ کن لہجے میں بولا........."تمہاری کالی آنکھوں کی قسم' جب تک "ست لڑا ہار" حاصل نہیں کروں گا' منذر قبیلے کی سرحد پر قدم نہیں رکھوں گا!!"

وہ دروازہ کھول کر چلا گیا.........

شمی پر سکتہ طاری ہو گیا' سب کچھ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ وہ گم سم دہلیز پر کھڑی رہ گئی تھی.........!

*

توردلئے اسی رات دریائے سندھ عبور کر کے قلعہ اٹک پہنچ گیا۔ اس نے قلعہ کی فصیل پر ایسی جگہ کمند پھینکی جہاں وہ پہرہ داروں کی زد میں نہیں تھا......... کمند فصیل کی برجی میں پھنس گئی تھی اور وہ نہایت کامیابی سے فصیل پر چڑھ کر قلعہ کے اندرونی حصہ میں اتر گیا۔

قلعہ کے اندر چٹانیں تھیں' کھائیاں اور جھاڑیاں تھیں۔ وہ نظری آڑ لیتا' بچتا



بچاتا شاہی خواب گاہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سیاہ رات اس کی دستگیری کر رہی تھی......... جہاں کہیں پہرہ دار نظر آیا بھی بچ سکنے کا موقع ہوتا تو پہلو بچا کر نکل جاتا لیکن جہاں گرفتاری کا اندیشہ ہوتا وہ اپنی فطری چابکدستی سے پہرے دار پر ایسا کاری وار کرتا کہ دو گھنٹے سے پہلے اسے ہوش نہ آتا......... وہ جان سے مار دینے کا قائل نہ تھا مگر جو آڑے آتا ساری زندگی یاد رکھتا کہ ایسی پُرکاری سے وار کرنے والا شخص توردلئے کے بغیر کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

حتیٰ کہ وہ بادشاہ بیگم کی خواب گاہ تک پہنچ گیا۔

*

ملکۂ ہند زرنگار پلنگ پر میٹھی نیند سو رہی تھی......... توردلئے پردے کے پیچھے سے نمودار ہُوا۔ ہلکی مدھم روشنی میں "ست لڑا ہار" ملکہ کے گلے میں جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔

توردلئے نے بہت ڈاکے ڈالے تھے مگر اس کی زندگی میں ایسا نازک لمحہ کبھی نہ آیا تھا......... تاریخ کے ایک نامور شہنشاہ کے حرم میں اس طرح بے دریغ چلے آنا' تلوار کی دھار پر چلنے سے بھی زیادہ کٹھن کام تھا......... مگر یہ توردلئے کی شان تھی کہ جسے چاہا تو پھر ایسا چاہا کہ پروانہ بھی شمع پر مرمٹنے کا انداز بھول گیا.........

"ست لڑا ہار" جسے شہنشاہِ اکبر اور ملکۂ ہند کے سوا کسی ہاتھ نے نہ چھوا تھا' توردلئے کے ہاتھ اس تک پہنچ گئے.........

قسمت نے یہاں تک تو یاوری کی لیکن ہار نکالنے کے لئے ملکہ کے سر کو ہتھیلی پر رکھ کر اٹھانا چاہا تو ملکہ کی آنکھ کھل گئی......... اس نے جھٹ سے توردلئے کا ہاتھ پکڑ لیا.........

یہی موقع تھا کہ وہ ملکہ کا ہاتھ جھٹک کر فرار ہو جاتا مگر اس نے بھاگنا مناسب

نہ جانا اور وہیں کھڑا رہ گیا.........

ملکہ نے مدھم مدھم شمعی روشنی میں اس گرانڈیل آدمی کی طرف دیکھا۔

"کون ہو تم......... ؟"

"چور سمجھ لیں' ڈاکو سمجھ لیں۔" وہ ہولے سے بولا۔

"چور سمجھ لیں ڈاکو سمجھ لیں' یہ تو خیر ٹھیک ہے مگر حیرت اس بات کی ہے کہ تم شاہی خواب گاہ تک پہنچ کیسے گئے؟"

"یہاں تک تو قسمت نے یاوری کی مگر شاید مقصود حاصل کرنا مقدر میں نہیں تھا؟"

"کس چیز کی کشش نے تمہیں موت کے پھندے میں لا ڈالا ڈاکو؟"

"کسی کی نظریں ملکۂ ہندوستان کے گلے میں پڑے ہوئے ہار پر لگی تھیں۔ میرے لئے ضروری تھا کہ اس کی خواہش پوری کرتا۔"

"ناممکن ناممکن!" ملکہ جیسے اپنے آپ سے بولی۔

"اسے اتفاق سمجھیں کہ شاہی پڑاؤ قلعہ اٹک میں تھا"۔ توردلئے بولا۔ "ملکۂ ہند فتح پور سیکری میں ہوتیں' دہلی میں ہوتیں یا ہندوستان کے کسی اور قلعہ بند شہر میں' یہ خادم وہاں بھی پہنچ جاتا۔"

"بد بخت انسان' شاہی حرم میں داخل ہونے کے جرم کا احساس نہیں تھا تمہیں۔"

"ملکۂ ہندوستان......... پروانہ کیا جانے کہ شمع کی لَو میں اس کے پر جل جائیں گے!"

"تمہیں یہاں تک پہنچنے میں کوئی وقت نہیں ہوئی۔ کسی نے روکا نہیں' ٹوکا نہیں......... ؟" ملکہ حیرت سے بولی۔

"جس نے مجھے دیکھا نہیں پہلو بچا کر نکل آیا اور جس سے تھوڑا بہت خطرہ



محسوس ہُوا اسے زمیں بوس کر دیا!"

"تعجب ہے......... !" ملکہ بولی۔ "لیکن تمہاری جرأت رندانہ ہمیں پسند نہیں آئی۔ہم جاننا چاہتے ہیں کہ تم کون ہو......... ؟"

"ملکۂ عالم......... میرا نام توردلئے ہے!"

"توردلئے.........!" ملکہ نے چونک کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "مشہور و معروف ڈاکو' کیا تم سچ کہتے ہو......... ؟"

"ملکۂ ہند پر واضح ہو کہ میں نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

"توردلئے"۔ ملکہ ایک بار پھر تعجب سے بولی......... "تم تو محاصروں اور ناکہ بندیوں سے نکلنے کے لئے مشہور ہو۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ تم نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کیوں نہ کی......... ؟"

"پاسِ ادب ملحوظ تھا' باشادہ بیگم۔ مجھے پسند نہیں تھا کہ بھاگتے چور کی وجہ سے ملکۂ ہند کے کردار پر حرف آئے!"

"ڈاکو......... !" ملکہ چیخ دباتے ہوئے بولی......... "جامے سے باہر نہ نکلو' ہندوستان کا بادشاہ ملکۂ ہندوستان کے کردار کو ایک چور سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔"

اگلے لمحے' ملکہ نے بے حد وقار سے تالی بجائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھ سات نیزہ بردار اندر آ گئے۔ ملکہ تمکنت سے بولی۔

"اس شخص کا نام توردلئے ہے' اسے گرفتار کر کے داروغہ کے حوالے کر دیا جائے"۔

سپاہیوں نے اسے جکڑ لیا اور کھینچتے ہوئے خواب گاہ سے باہر لے گئے۔ کنیز خاص اندر آ گئی اور دست بستہ سلام عرض کیا۔

"نصیبِ دشمناں' ملکۂ عالیہ کی طبیعت ناساز تو نہیں؟"

"نہیں مہرافروز' تم جاؤ آرام کرو۔"

کنیز آداب بجالاتی ہوئی چلی گئی۔

ملکہ دیر تک بیٹھی سوچتی رہی۔ جو کچھ آج ہُوا تھا شاید پہلے کبھی نہ ہُوا تھا.........

✳

صبح مرغ کی پہلی بانگ ہی ہوئی تھی کہ سردار مستجاب خان کی حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی۔ سردار مستجاب اور اس کی بیگم سو رہے تھے۔ دوسری بار دستک ہوئی تو دونوں جاگ اٹھے۔

"کون ہو بھائی.........؟" سردار مستجاب نیم خوابی کے لہجے میں بولا۔

"میں ہوں بھگوان داس مستجاب بھائی۔"

مستجاب نے حیرت سے بیگم کی طرف دیکھا۔

"اللہ خیر کرے۔ صبح تڑکے آیا ہے۔" بیگم بولی۔

بیگم نے اٹھ کر شمع جلائی۔ مستجاب خان نے جا کر دروازہ کھول دیا۔

بھگوان داس اندر آ گیا۔

"خیریت تو ہے بھگوان داس.........؟" سردار مستجاب پریشان ہو کر بولا۔

"خیریت نہیں مستجاب!" بھگوان داس بے حد ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "وہ تورولئے اٹک کے قلعہ میں گرفتار ہو گیا ہے.........!"

"پنڈت لالہ.........؟" بیگم حیرت سے بولی۔ "آج اس کی سہاگ رات ہے' وہ شی کو چھوڑ کر قلعہ کس طرح جا سکتا ہے؟"

"وہ چلا گیا تھا بھابی۔ وہ ملکۂ ہند کا ست لڑا ہار چرانے گیا تھا۔ ملکۂ ہند کی کنیز خاص میری بیٹی کی سہیلی ہے' اس نے رات ہی ہمیں اطلاع کر دی تھی اور میں اسی وقت گھوڑے پر بیٹھ کر چل پڑا تھا۔"



"ایک ڈاکو سے شی کی شادی کا انجام اور کیا ہو سکتا تھا۔" مستجاب نے کہا۔

"مگر میرا دل نہیں مانتا۔" بیگم بولی۔ "وہ شی سے بے پناہ پیار کرتا ہے۔ وہ سہاگ رات میں شی کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا........."

"غلطی میری تھی ماں!" اچانک شی پہنچ گئی۔ "میں نے اسے بادشاہ بیگم کے ست لڑے ہار کا طعنہ دیا تھا۔ میں کیا جانتی تھی کہ مذاق کا نتیجہ یوں نکلے گا"۔

"بد بخت لڑکی.........!" ماں نے اسے ٹوکا......... "تم نے اسے روکا نہیں؟ ہمیں خبر تک نہ کی؟"

"خبر کیسے کرتی ماں........." شی روتے ہوئے بولی......... "میری تقدیر تو سازش کر کے آئی تھی' مجھے ہوش ہی کب تھا........."

"اب کیا ہو گا پنڈت لالہ.........؟" بیگم نے بے تابی سے پوچھا۔

"شاہی خواب گاہ میں داخل ہونا معمولی جرم نہیں ہے بھابی۔ جن شبستانوں میں پنکھ پکھیرو جانے کی ہمت نہیں رکھتے وہاں ایک اجنبی مرد کا ہاتھ ملکۂ ہند کے گریبان تک پہنچ گیا۔ شہنشاہِ ہند جلال الدین اکبر اس گستاخی کی سزا موت سے کم کیا دیں گے.........؟"

"پنڈت چاچا"۔ شی چیخی.........

"پتری.........!" بھگوان داس نے اسے بغل میں لیا۔ "تمہارے سہاگ کی خاطر تمہارا چاچا کچھ اور کرے نہ کرے اپنی زندگی ضرور داؤ پر لگا دے گا۔"

"چاچا.........!" شی نے فرطِ جذبات سے اس کی چھاتی پر سر رکھ دیا۔

"بھگوان داس.........!" مستجاب بولا۔ "تمہیں اس قدر جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں کہ ایک ڈاکو کی خاطر زندگی داؤ پر لگا دو۔ میرا خیال ہے قدرت ہماری مدد کر رہی ہے۔ تقدیر نے اسے خود ہی ہمارے راستے سے ہٹا دیا ہے۔"

"ابا جان.........!" شی نے چیخ کر احتجاج کیا۔

"مستجاب.........!" بھگوان داس نے اسے تنبیہہ کی۔ "کبھی روایتی خول سے باہر نکل کر بھی سوچ لیا کرو۔ توردلئے شمی کا سہاگ ہے اور ہمارا تمہارا داماد......... اس آدمی کو ہم کیسے برا کہہ سکتے ہیں جس نے بیوی کے معمولی مذاق پر اپنے آپ کو برچھیوں اور تلواروں کے سائے میں دے دیا.........؟"

ماں بیٹی نے بیک وقت بھگوان داس کو محبت کی نظروں سے دیکھا۔

"پتری......... ہم ہار نہیں مانیں گے۔ تم میرے ساتھ چلو گی، ہم نے ساری زندگی شہنشاہِ ہند اکبر اعظم کی سیوا میں گزاری ہے......... وقت آگیا ہے کہ ہم جلال الدین اکبر سے اس کا صلہ مانگیں.........!

شمی نے عقیدت سے بھگوان داس کی طرف دیکھا۔

*

شہنشاہِ ہند اکبر اعظم تخت پر جلوہ افروز تھے۔ دربار لگا ہوا تھا اور سارے نورتن درجہ بندی کے مطابق اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وزیر اعظم ابو الفضل اپنی نشست سے اٹھا اور نہایت مؤدبانہ انداز میں گزشتہ رات کا واقعہ بیان کرنے لگا۔

"فخرِ عالم، اوجِ ہمالیہ، قسمتِ ہند مغل اعظم، شہنشاہِ معظم محمد جلال الدین اکبر کے حضور میں بصد ادب و احترام آداب بجا لاتا ہوں کہ گزشتہ رات ایک بد تدبیر بد قسمت ڈاکو چوری کی نیت سے شاہی حرم میں داخل ہوا تھا.........!"

"ہوش کی دوا کرو ابوالفضل! شہنشاہِ اکبر غضبناک ہو کر دھاڑا......... "دورِ اکبری میں کون ایسی جرأت کر سکتا ہے کہ شاہی حرم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے.........؟"

"شہنشاہِ عالی وقار.........!" ابوالفضل تمکنت سے بولا۔ "بے ادبی کی معافی اور گستاخانہ انداز کے لئے معذرت خواہ ہوں کہ شاہی حرم کا نام زبان پر آگیا لیکن



امورِ سلطنت کا تقاضہ ہے اور اکبر اعظم کی عالی ظرفی کی رعایت بھی کہ حقیقت حال گوش گزار کی جائے۔ جہاں پناہ......... یہ سچ ہے کہ رات ایک چور شاہی حرم میں گرفتار ہوا ہے........."

"بیان جاری رہے ابوالفضل۔" اکبر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"جہاں پناہ، چور یوسف زئی قبیلے کا مشہور ڈاکو توردلئے تھا لیکن عقل حیران ہے کہ یہ کس بلا کا آدمی ہے، جس نے قلعہ کی اونچی دیواروں کو عبور کیا، قدم قدم پر پہریداروں کی آنکھوں میں دھول ڈالی اور جو آڑے آیا اسے ایک ہی وار میں بے ہوش کر کے پرے پھینک دیا اور نہ صرف شاہی حرم تک پہنچ گیا بلکہ تاجدارِ ہندوستان کی بیگم عالی قدر ملکۂ ہند کی خواب گاہ میں پہنچنے کی حماقت کی اور بادشاہ بیگم کے ست لڑے ہار پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت.........!"

"ابوالفضل.........!" اکبر اعظم تقریباً چیخ اٹھا۔

"جہاں پناہ......... سر کی امان چاہتا ہوں لیکن جو کچھ غلام نے عرض کیا ہے، اس کی شہادت ملکۂ ہندوستان خود دیں گی کیونکہ خوش بختی سے چور انہی کے ہاتھوں گرفتار ہوا ہے.........!"

عین اس لمحے ایک کنیز کورنش بجا لاتی ہوئی دربار میں پہنچ گئی.........

"ظلِ سبحانی......... عالی جناب وزیر اعظم نے جو کچھ فرمایا ہے حرف بحرف درست ہے، ملکۂ عالیہ اس کی تصدیق کرتی ہیں........."

"ٹھیک ہے۔" اکبر اعظم نے کنیز سے کہا۔ "تم جا سکتی ہو۔"

پھر انہوں نے پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی کی طرف دیکھا۔

"منور خان.........!"

"غلام حاضر ہے جہاں پناہ۔" منور خان دست بستہ کھڑا ہو گیا۔

"کیا یہ ہی توردلئے ہے جو تمہارا عم زاد بھی ہے اور بڑے بڑے ڈاکے ڈالتا ہے

اور ہماری رعایا کا ناک میں دم کر رکھا ہے جس نے؟"

"ہاں جہاں پناہ......... یہ وہی بد قسمت تورد لئے ہے جس کے خوف سے غلام نے شہنشاہِ معظم کے قدموں میں پناہ لی تھی........."

"اس بد بخت کی سزا یہ ہے۔" اکبر جلال میں آ کر بولا......... "کہ اسے زندہ کمر تک زمین میں گاڑ دیا جائے' اس کے بعد بھوکے خونی کتوں کو چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ اس دنیا ہی میں جہنم کا مزہ چکھ سکے.........!"

وزیر اعظم ابو الفضل نے سر جھکاتے ہوئے کہا.........

"تعمیل ہو گی جہاں پناہ.........!"

×

بھگوان داس شہی کو ساتھ لے کر جونہی گھر میں داخل ہوا اس کی بیٹی بملا نے لپک کر شہی کو گلے لگایا اور اس کا ماتھا چوما.........

"کیا خبر ہے بملا بیٹی.........؟" بھگوان داس نے پوچھا۔

"شہنشاہ نے اس کی موت کا حکم صادر کر دیا ہے پتا جی!"

شہی نے چونک کر باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"کس طرح کا حکم صادر فرمایا ہے؟" بھگوان داس نے پوچھا۔ "مغلِ اعظم موت کی سزا کے انوکھے انوکھے تجربے روا رکھتے ہیں.........؟"

"شہنشاہ نے اپنی روایات کو برقرار رکھا ہے پتا جی۔ تورد لالہ کے لئے حکم ہوا ہے کہ زندہ کمر تک زمین میں گاڑ دیا جائے اور ان پر خونی کتے چھوڑ دیئے جائیں.........!"

"پنڈت چاچا.........!" شہی تڑپ اٹھی۔

بھگوان داس نے پیار سے اسے بغل میں لیا.........

"ہمیں اپنی سندر پتری کے دکھ کا پورا پورا احساس ہے۔ ہم نے تم سے وعدہ کیا ہے بیٹی' پنڈت چاچا تمہارے سہاگ کو بچانے کے لئے جان نچھاور کر دے گا۔ ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں شہی بیٹی!"

شہی نے روتے ہوئے سر اس کی چھاتی پر رکھ دیا۔ بھگوان داس نے اسے تھپکی دی.........

×

بھگوان داس کتوں کے محافظ کے گھر پہنچا۔ راؤ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی لیکن جب حرفِ مدعا بیان کیا تو راؤ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے پنڈت جی' یہ فرمانروائے ہندوستان اکبر اعظم کا حکم ہے۔"

"میں حکم عدولی کے لئے کب کہہ رہا ہوں راؤ۔" بھگوان داس سمجھانے کے لہجے میں بولا۔ "میں ایسی دوشیزہ کے لئے تم سے انسانیت کے نام پر بھیک مانگ رہا ہوں' جس کے سہاگ کا سندور بھی ابھی بکھرا نہیں مگر وہ دیکھتے دیکھتے کنواری بیوہ بن جائے گی.........!"

"میری جگہ آپ ہوتے تو کیا کرتے پنڈت جی؟"

"میں کتوں کو بھوکا نہ چھوڑتا۔ میں کتوں کو پیٹ بھر کر ماس کھلاتا اور اس آدمی کے ہاتھ سے کھلاتا جس کے چیر پھاڑ کا فرض کتوں کے ذمہ لگا ہے؟"

"یہ انہونی بات ہے پنڈت جی۔ کتوں کا معمولی محافظ شاہی مجرم تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟"

"یہ کام پنڈت بھگوان داس کرے گا' تم ہاں کرو۔ تورد لئے کے محافظوں کو میں ہر قیمت پر رام کر لوں گا........."

"یہ تو لمبی چوڑی سازش ہوئی پنڈت جی"۔ راؤ خوف زدہ ہو کر بولا۔ "ذرا

بھول چوک ہو گئی تو زندگی بھی ساتھ گئی!"

"دل چھوٹا نہ کرو راؤ' حوصلہ کرو۔ بھینٹ دے کر تو دیکھو' جیون تمہیں کتنا سکھ بخشتا ہے۔"

"نہیں نہیں پنڈت جی مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ بس مجھے تو معاف ہی رکھیں' میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔"

بھگوان داس چند لمحے اسے بے بسی اور مایوسی سے دیکھتا رہا۔

"اچھا راؤ' بھگوان تجھے خوش رکھے!"

اور پھر سر جھکائے خاموشی سے چلا گیا.........

✕

بھگوان داس جونہی خمیدہ سر اور ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ گھر میں داخل ہُوا' بملا نے ہارے ہوئے باپ کی کیفیت دیکھی تو دوڑ کر اس کے پاس آ گئی.........

"کیا ہُوا پتا جی.........؟"

"ہار گیا ہوں پتری' راؤ نہیں مانتا۔ ہم شمی سے آنکھ کیسے ملائیں گے؟"

"شمی کے سامنے آپ کبھی شرمندہ نہیں ہوں گے پتا جی۔" بملا جذباتی لہجے میں بولی۔ "اور نہ کبھی آپ کو شکست کا سامنا ہو گا۔ راؤ مانے گا اور ضرور مانے گا!"

"مگر کیسے پتری.........؟" بھگوان داس نے خوش ہو کر پوچھا۔

"سونے کی چمک آنکھوں کی چمک پر ہمیشہ حاوی ہو جاتی ہے پتا جی۔"

اس نے ایک ایک کر کے سارے زیور اتار دیئے.........

"یہ لیجئے پتا جی۔ راؤ تو راؤ ہے' اس پیلے دھات سے دنیا کی ہر انہونی' ہونی بن جاتی ہے!"

بھگوان داس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں.........



"آج کی فتح ہماری نہیں تمہاری ہے پتری۔ آتما نے آج جلا پا لی ہے!"

اس نے بیٹی کا ماتھا چوما اور انہیں قدموں سے واپس چلا گیا۔ شمی جو یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی نہایت عقیدت و احترام سے بملا کی طرف آئی۔

"یہ تو نے کیا کیا بہن.........؟"

بملا ہنس پڑی.........

"بہن کہہ کر بھی پوچھتی ہے' کیا کیا.........؟ دھات کے بدلے انسان کا جیون ملے یہ مہنگا سودا تو نہیں شمی؟"

"جو کام میرا تھا تم نے کر دیا۔ اب ایک بات میری مان لو' میرا سارا زیور تم رکھ لو.........!"

"مُورکھ.........!" اس نے پیار سے شمی کے منہ پر چپت لگایا۔ "جذبوں کا بھی کبھی مول تول ہوتا ہے۔ آ جائے تیرا منش' پھر اس سے کہوں گی ایک ڈاکہ شمی کے لئے ڈالا تھا ایک ڈاکہ اپنی بہن کے لئے ڈال' بس سارا حساب بے باک ہو جائے گا!"

شمی نے انتہائی عقیدت اور جذبے سے اس کی طرف دیکھا۔

"روتوں کو ہنسانا تم ہی کو آتا ہے بملا........."

"پگلی.........!" بملا نے اسے گلے لگایا......... "چل آ تجھے ایک گیت سناؤں۔"

اگلے دن توردلئے کمر تک زمین میں گڑھا ہُوا تھا' چاروں اطراف لوگوں کا ہجوم تھا اور اس درندگی پر تالیاں بجا رہے تھے۔ شمی' بملا اور بھگوان داس بھی اس ہجوم کے کسی کونے کھدرے میں کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔

کتوں کا محافظ راؤ اور اس کے ساتھی چند کتوں کو زنجیروں میں جکڑے مجمع کو چیرتے ہوئے آگے آ گئے۔

اجتماع کا شعور بھی عجیب شے ہے کہ طوفان کی طرح اٹھتا ہے اور خس و خاشاک کی طرح ہر تعمیر کو بہا کر لے جاتا ہے یا یوں سمجھئے۔

اجتماع کا احساس پاگل کتے کی مانند ہوتا ہے۔ حقیقت کا علم ہونے سے پہلے وہ کئی بے گناہوں کی پنڈلیوں میں دانت گاڑ دیتا ہے۔

کتوں کے غیر ذمہ دارانہ رویے کی خبر شاہی ایوانوں تک بھی جا پہنچی۔

ملکہ نے حیرت سے کہا........

"یہ کیسے ممکن ہے کہ خونی کتے مجرم کو سونگھ سانگھ کے پیچھے ہٹ گئے۔ توردلئے کو ہم "ولی" کیوں مانیں آخر وہ ایک ڈاکو ہی تو ہے۔ ساری زندگی ڈاکے ڈکیتیوں میں گزری، قانون کا باغی ہے۔ ایک نہیں ہزاروں لوگوں کا مجرم ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شاہی حرم تک پہنچنے کی حماقت کی اور کتے اس سے پیار کریں! یہ ضرور کوئی سازش ہے؟"

دربارِ اکبری میں بھی گذشتہ دن کے واقعہ کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔

ابوالفضل نے واقعے پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا........

"فخرِ عالم، اوجِ ہمالیہ، قسمتِ ہند، شہنشاہِ معظم جلال الدین اکبر کے حضور میں بصد ادب و احترام ہزار آداب بجا لاتا ہوں........ غلام ناکامی کے ساتھ عرض گزار ہے........ فرمان شاہی کے مطابق کل ملک کے بدنام ڈاکو توردلئے کو آدھا زمین میں گاڑ دیا گیا تھا اور خونخوار بھوکے کتوں کو شکار پر چھوڑ دیا گیا تھا لیکن خلافِ معمول کتوں نے توردلئے کو کچھ نہ کہا بلکہ وہ اسے سونگھتے اور چہلیں کرتے



رہے........!"

"ایسا کیوں ہُوا ابوالفضل؟" اکبر نے پوچھا۔ "ما بدولت جاننا چاہتے ہیں کہ سدھائے ہوئے کتوں نے اپنا فرض کیوں پورا نہ کیا........؟"

"جہاں پناہ........!" ابوالفضل نے نہایت ہوشیاری سے اپنے عندیئے کا اظہار کیا۔

"بعض لوگوں کا خیال ہے........ توردلئے جادوگر ہے اور حاکم بدہن، بعض لوگ کہتے ہیں وہ بے گناہ ہے!"

"ایسا کہنے والا کون احمق ہو سکتا ہے ابوالفضل۔ کیا ملکۂ ہند کی شہادت کافی نہیں........؟"

"اس کا جرم ثابت ہو چکا ہے شہنشاہِ معظم!" ابوالفضل نے پینترا بدلا۔ "لیکن غلام نے اپنا فرض جانا کہ عوام میں جو سرگوشیاں ہوئی ہیں وہ جہاں پناہ کے گوش گزار کر دی جائیں۔"

"تم نے اچھا کیا ابوالفضل، کہ عوام کے اذہان کی بات ما بدولت تک پہنچائی لیکن اکبر بہت جلد ان کے واہمے اور شکوک ختم کر دے گا۔ شاہی جیل خانے کا سب سے منہ زور ہاتھی "شہ زور" اس کام کے لئے بے حد موزوں ہے........ توردلئے کو رسیوں میں جکڑ کر پھینک دیا جائے۔ مہاوت کو "شہ زور" پر بٹھا کر ڈاکو کو کچل دیا جائے........ تماشہ کا تماشہ اور عبرت کی عبرت........! ایک پنتھ دو کاج!!"

"تعمیل ہو گی جہاں پناہ........" ابوالفضل نے تائید کی........

بلا شہی کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ انہیں شہنشاہِ اکبر کے آج کے تازہ فیصلے کی خبر ابھی نہیں پہنچی تھی........ شہی پریشان تھی اس نے بلا سے پوچھا........

کتے بے تحاشہ بھونک رہے تھے اور محافظوں کو کھینچ کھینچ کر توردلئے کی طرف جانے کے لئے زور لگا رہے تھے۔

اچانک نقارہ بجا......... سب لوگ خاموش ہو گئے۔

نقارچی نے تکبرانہ لہجے میں اعلان کیا.........

"ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ تمہارے سامنے جو آدمی آدھا زمین میں گڑھا ہُوا ہے' ہندوستان کا مشہور و معروف اور بد نام ڈاکو توردلئے ہے.........

توردلئے نے نہ صرف ملک میں بد امنی پھیلا رکھی تھی بلکہ اس نے ساری رعایا کا سکون درہم برہم کر رکھا تھا لیکن مثال ہے' گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے......... توردلئے کو بھی موت نے پکارا تو ملکۂ معظمہ کا ست لڑا ہار چرانے کے شوق میں شاہی حرم تک جا پہنچا........."

"شرم' شرم' شرم" چاروں طرف سے آوازیں اٹھیں۔

نقارچی نے دوبارہ نقارہ بجایا......... لوگ پھر ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"چنانچہ توردلئے جو اس سے پہلے بھی حکومت کو مختلف جرائم میں مطلوب تھا' احمق نے اپنے جرائم میں ایک اور سنگین اور شرمناک جرم کا اضافہ کیا......... لہٰذا فخرِ عالم' شہنشاہِ ہند محمد جلال الدین اکبر اعظم کی جانب سے حکم صادر ہُوا ہے کہ اس سیاہ قلب یعنی توردل کو زندہ مگر آدھا زمین میں گاڑ دیا جائے اور خونخوار بھوکے کتے اس پر چھوڑ دیئے جائیں تاکہ نہ صرف توردلئے جہنم رسید ہو جائے بلکہ ساری دنیا کو عبرت حاصل ہو.........!"

چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ نقارچی نے ایک بار پھر اعلان کیا.........

"وقت ہو گیا ہے' گھنٹی بجنے پر کتے چھوڑ دیئے جائیں۔"

اگلے لمحے گھنٹی بج گئی.........

خونی کتوں کی گردنوں سے زنجیروں کے ہک کھول دیئے گئے۔



کتے غرّاتے اور پھلانگتے ہوئے زمین میں گڑھے ہوئے آدمی کے پاس پہنچ گئے۔

عوام دم بخود تھے۔ خود شہی کا دل بھی بری طرح دھڑک رہا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے کتے توردلئے کی بوٹی بوٹی کر دیں گے۔

مگر جو کچھ عوام نے دیکھا اور حکومت کے کارندوں نے' وہ سب کے لئے حیران کن تھا۔

خونی کتے توردلئے کو چاٹ رہے تھے' سونگھ رہے تھے اور اس سے چہلیں کر رہے تھے.........

اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہُوا تھا بلکہ لوگوں نے جو کچھ دیکھا تھا' وہ یہ کہ خونی کتے مجرموں کو پلک جھپکتے میں موت کے گھاٹ اتار دیتے.........

بلا اور بھگوان داس کے چہروں پر مسکراہٹ تھی.........

لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں' طرح طرح کی چہ میگوئیاں۔ کوئی کہہ رہا تھا.........

"توردلئے بے گناہ ہے۔"

کوئی کہہ رہا تھا.........

"توردلئے جادوگر ہے.........!"

کوئی کہہ رہا تھا.........

"جی دار آدمی کو جانور پہچان لیتے ہیں' ایسے آدمی کو تو گولی بھی کچھ نہیں کہتی!"

ایک آدمی کہہ رہا تھا.........

"معجزہ ہے معجزہ' صاحبِ کردار آدمی ہے توردلئے' ضرور اس پر خدا کی نظرِ کرم ہے!"

کجا یہ کہ' تھوڑی دیر پہلے وہ لوگوں کی لعنت ملامت کا نشانہ تھا لیکن اب سب کے دل گداز تھے' سینے بھرے بھرے اور اس کا نام احترام سے لے رہے تھے۔

"آج کچھ فیصلہ ہو جائے گا نا بلا بہن؟"

"بھگوان کرے گا اچھی خبر سنیں گے ہم۔" بلا نے جواب دیا۔

"میں کتنی شرمندہ ہوں تور دلِ کے سامنے' نہ مذاق سوجھتا' نہ یہ دن دیکھنا پڑتا.........."

"شمی.........!" بلا نے نہایت تجسس سے پوچھا۔ "ایک بات بتاؤ' اتنے بڑے باپ کی بیٹی ہو' اس قدر خوبصورت ہو۔ ایک سے ایک شہزادہ ایک سے ایک بڑا بَر مل سکتا تھا تجھے مگر پیار کیا تو ایک لٹیرے سے اور اسی کی ہو کر رہ گئی .........؟"

"تم نہیں جانتی بلا' وہ کس طرح کا لٹیرا ہے۔ وہ پیار لوٹتا ہے اور پیار لٹاتا ہے......... وہ نیکیوں کی گھات میں رہتا ہے اور نیکیاں لٹاتا ہے۔وہ امیروں کی تجوریاں لوٹتا ہے' غریبوں کے گھر بسا دیتا ہے' بے کسوں کے جذبے سمیٹ کر لے جاتا ہے اور اپنے جذبے ان پر لٹا دیتا ہے۔ وہ جذبوں کا لٹیرا ہے بلا.........!"

"قربان جاؤں تم پر اور تمہارے پیار پر!" بلا نے اسے چوما۔ "باتیں کیا کرتی ہو پھول جھڑتے ہیں۔ تور دلِ لالہ کو واقعی ہیروں کی پرکھ ہے۔"

اس اثنا میں بھگوان داس سر جھکائے گھر میں داخل ہوا۔

"کیا ہوا پتا جی.........؟" بلا اس کی طرف بڑھی۔

"بادشاہ اپنے دشمنوں کو معاف کرنے کے اصول پر بہت کم عمل کرتے ہیں بیٹی!"

"کیا ہوا پنڈت چاچا.........؟" شمی نے بے تابی سے پوچھا۔

"بادشاہ نے اسے "شہ زور" ہاتھی کے پاؤں تلے کچل دینے کا حکم دے دیا ہے۔ بیٹی!"

شمی نے پاگلوں کی طرح دائیں بائیں دیکھا.........

"شہ زور ہاتھی کا مہاوت کاظم علی ہے نا پتا جی.........؟" بلا نے پوچھا۔



"ہاں بیٹی وہی ہے مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو.........؟"

"بھگوان ہماری مدد کر رہا ہے۔" بلا نے کہا......... "چچا کاظم علی کی بیٹی میری سہیلی ہے بلکہ بہنوں کی طرح اور باپ کی بڑی چہیتی ہے........."

"فرض کرو بلا........." شمی نے شک کا اظہار کیا......... "ایک بار پھر تور دلِ بچ گیا تو کیا اکبر بادشاہ تیسری بار اس کی موت کا حکم صادر نہیں کریں گے؟"

"بادشاہ اپنا کام کرتا رہے ہم اپنا کام کرتے رہیں گے بیٹی......... انسان کا فرض ہوتا ہے' آخری دم تک ہمت نہ ہارے.........اور پھر بات یہ ہے' بیٹی کہ بار بار موت کے پنجے سے بچنے کے بعد ہو سکتا ہے' بادشاہ کو احساس ہو جائے کہ تور دلِ بے گناہ ہے.........."

"اچھا چاچا........." شمی ٹوٹے ہوئے دل سے بولی........."یہ بھی دیکھ لیتے ہیں........."

✕

دربار لگا ہوا تھا۔ شہ زور کا مہاوت اور کتوں کا محافظ دست بستہ کھڑے تھے۔ شہنشاہِ اکبر تخت پر جلوہ افروز تھا.........شہنشاہ نے نہایت تمکنت سے ان کی طرف دیکھا.........

"محافظ سگاں......... تم کیا کہنا چاہتے ہو کہ کتوں نے مجرم کو چیرنے پھاڑنے میں اپنا فرض کیوں پورا نہ کیا.........؟"

محافظ سگاں گڑگڑاتے ہوئے بولا.........

"شہنشاہِ معظم' فخرِ جہاں' مغلِ اعظم کا نمک کھاتے ہوئے انیس برس ہو گئے ہیں۔ جھوٹ بولنے کی بھی ہمت نہیں۔ غلام اتنا خوف زدہ ہے کہ کئی راتوں سے پلک سے پلک نہیں ملی......... حیرت ہے' یہ سدھائے ہوئے خونخوار درندے جو آنکھ جھپکنے

میں آدمی کا خون چوس لیتے ہیں' توردلئے کے سامنے گیدڑ کیوں بن گئے.........؟ جہاں پناہ مجھے تو یہ شخص جادوگر نظر آتا ہے.........!"

"تم کیا کہتے ہو کاظم علی.........!" شہنشاہ نے اس کی طرف دیکھا۔ "شاید تم نے بھی کتوں کے محافظ کی طرح کوئی عذر تراش لیا ہو گا.........؟"

"جہاں پناہ! سر کی امان چاہتا ہوں۔" وہ دست بستہ عرض گزار ہوا.........

"غلام تو خود شہ زور کی بزدلی پر حیران ہے بلکہ غلام کی طرح ہزاروں تماشائی بھی انگشت بدنداں تھے......... غلام نے ایک بار نہیں تین بار مجرم کو کچلنے کے لئے شہ زور کو آگے بڑھایا لیکن توردلئے کے پاس پہنچ کر شہ زور اس طرح بدک جاتا تھا' جس طرح اژدھے کو دیکھ کر گھوڑا بدک جاتا ہے......... غلام آگے بڑھاتا شہ زور پیچھے ہٹتا۔ مارا پیٹا' گرز برسائے' مگر وہ ٹس سے مس نہ ہُوا۔ اس نے توردلئے کی چھاتی پر پاؤں نہ رکھا......... جہاں پناہ سر حاضر ہے' قلم کر دیں لیکن غلام یہ درخواست ضرور کرے گا کہ غلطی جانور کی ہے' غلام بے گناہ ہے!"

شہنشاہِ اکبر نے زیرِ لب مسکرا کر وزیرِ اعظم کی طرف دیکھا۔

"ابو الفضل.........!"

"جہاں پناہ........."

"توردلئے کا قصہ دلچسپ ہوتا جا رہا ہے!"

"مغلِ اعظم کی دلچسپی بلا وجہ نہیں ہے۔ توردلئے واقعی عجیب و غریب کردار ثابت ہو رہا ہے........."

"منور خان.........!" شہنشاہ نے اسے مخاطب کیا۔

"جہاں پناہ.........!" منور خان آداب بجا لا کر بولا۔

"توردلِ تمہارا عم زاد ہے اور دشمن بھی۔ تم اس بات پر روشنی ڈال سکتے ہو کہ لوگ اس سے اس طرح مرعوب کیوں ہیں؟ وہ سچ مچ کا جادوگر ہے یا خوامخواہ کا



ڈھونگ رچا رکھا ہے.........؟"

"جہاں پناہ......... جہاں تک جادو ٹونے کی باتیں ہیں سب غلط ہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اس کی زبان میں اثر ہے اور اس کے ماتھے پر روشنی ہے!"

"یہ تو بہت بڑی بات ہے منور خان!" شہنشاہ بولا۔ "لیکن ایک ڈاکو کی پیشانی کی روشنی' بہرحال ہندوستان کے بادشاہ کی پیشانی کی روشنی سے کم ہو گی.........ابو الفضل.........!"

"جہاں پناہ........."

"کل توردلئے کو دربار میں پیش کیا جائے مابدولت اس کی زبان کا اثر اور اس کی پیشانی کی روشنی دیکھنا چاہتے ہیں!"

"تعمیل ہو گی جہاں پناہ.........!"

✕

بھگوان داس گھر میں کسی حد تک خوش بیٹھا لڑکیوں سے باتیں کر رہا ہے.........

"ہم نے دو معرکے سر کر لئے ہیں۔ بیٹی اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہوتے تو اب تک توردلئے سے ہاتھ دھو چکے ہوتے۔"

"اب تو میری بھی امید بندھ چلی ہے چاچا۔" شی خوش ہو کر بولی۔

"چلو یہاں تک تو پہنچے........." بملا نے ہنس کر کہا.........

"ہم نے مہاوت اور محافظ کے منہ میں وہ زبان دے دی تھی کہ شہنشاہ کو اپنی روایات بدلنی پڑ گئیں۔ دربارِ اکبری میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ اس قدر سنگین جرم کا مجرم سزا پانے سے پہلے بادشاہ کے حضور میں پہنچ جائے.........!"

"اب آگے کیا ہو گا چاچا.........؟" شی نے بے تابی سے پوچھا۔

"توردلئے کو سمجھانا ہو گا کہ وہ پورے احترام اور متانت سے شہنشاہ کے سامنے

پیش ہو........بادشاہوں کا کیا' خفیف سی غلطی پر سر قلم کردیں اور ذرا سی بات پر خوش ہو کر مصاحب بنالیں!"

"لیکن چاچا توردلئے کو کون سمجھائے گا اور کس طرح سمجھائے گا........؟" شہی نے پوچھا........

"یہ کام صرف تم کر سکتی ہو شہی۔ توردلئے دنیا میں صرف تم سے مرعوب ہے!"

"میں کس طرح اس تک پہنچ سکتی ہوں چاچا؟"

بھگوان داس نے مسکرا کر کہا........

"پہنچانا ہمارا کام ہے پتری' اور سمجھانا تمہارا کام!"

"چاچا........!" شہی خوش ہو گئی........

✕

تین مسلح سپاہی کھانا لے کر توردلئے کے تہ خانے میں پہنچے۔ یہ تینوں وردی میں تھے۔ ان میں سے ایک شہی تھی........

شہی نے روٹی اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دی۔ توردلئے بے نیازی سے ہاتھ دھونے کے لئے اٹھا' شہی نے آگے بڑھ کر لوٹا اٹھایا اور اس کے ہاتھوں پر پانی انڈیلنے لگ گئی........ ــــــ توردلئے کی نظریں اس کی انگلی میں پہنی ہوئی انگشتری پر پڑیں۔ توردلئے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا........شہی نے ہلکی ہلکی مونچھیں لگا رکھی تھیں۔ وہ ہولے سے مسکرا پڑی........

"تم........!" وہ حیرت مگر دھیرے سے بولا........

"جی ہاں........میں بہت مشکل سے پنڈت چاچا کے ذریعے یہاں تک پہنچی ہوں۔ کل تم بادشاہ کے سامنے پیش ہو رہے ہو۔ پنڈت چاچا نے کہلا بھیجا ہے' مغلِ



اعظم کے سامنے سرکشی کا مظاہرہ نہ کریں........"

"شہی........" وہ خوش ہو کر بولا........ "تم نے میری خاطر یہ بہروپ دھارا' اب موت میرا کیا بگاڑ سکتی ہے!"

"موت کی بات نہ کرو توردلِ' تم نے میرے مذاق کی مجھے بہت بڑی سزا دے دی ہے........"

"مگر عزتِ نفس کا سودا تو کروں گا نہیں بادشاہ سے۔"

"میری خاطر' اپنی شہی کی خاطر!" وہ گڑگڑائی........

"معافی مانگوں التجا کروں بادشاہ سے' تم میرا جھکا ہُوا سر پسند کرو گی شہی........؟"

"نہیں نہیں........!" وہ سٹپٹا کر بولی........

"تو پھر خدا پر بھروسہ رکھو ہرچہ بادا باد........ دیکھا جائے گا!"

شہی نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا........

"حوصلہ رکھو!" توردلئے نرمی سے بولا........ "تمہارے آنسو بھی نہیں پونچھ سکتا جب تک ست لڑا ہار تمہارے گلے میں نہیں ہو گا۔ تمہیں ہاتھ نہ لگانے کی قسم کھا چکا ہوں!"

شہی نے شدید ردِ عمل کے ساتھ ہونٹ کاٹے۔

✕

شہنشاہِ اکبر متانت سے تخت پر جلوہ افروز تھا۔ دربارِ اکبری کے سارے نورتن اپنی اپنی نشستوں پر تشریف فرما تھے۔ ملکہ جودھابائی شہنشاہ کے پیچھے' پردے کی آڑ میں رونق افروز تھیں۔ آج درباریوں کے چہروں پر شوق تجسس کچھ معمول سے زیادہ تھا........

صاف ظاہر ہے' آج ایک ایسا شخص دربارِ اکبری میں پیش ہو رہا تھا.........جس کی جرأت و بہادری کے افسانے نہ صرف سارے ہندوستان میں مشہور تھے بلکہ خونی کتوں اور ہاتھی والے واقعات نے اسے مزید پُر اسرار بنا دیا تھا۔

جب وزیر اعظم ابوالفضل اپنی نشست سے اٹھا تو سارا دربار دم بخود ہی نہ تھا......... نشست گوش بر آواز بھی تھا۔

وہ توردلئے کے سلسلہ میں مزید کچھ سننے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے.........

"فخرِ جہاں' اوجِ ہمالیہ' قسمتِ ہند' شہنشاہِ معظم جلال الدین اکبر کے حضور میں بصد ادب و احترام ہزار آداب بجا لاتا ہے......... غلام مجرم توردلئے کو شہنشاہِ عالیٰ وقار کے حضور میں پیش کرنے کی اجازت کا خواستگار ہے!"

"اجازت ہے ابوالفضل........." اکبر اعظم متانت سے بولا۔

ابوالفضل نے دربار کے اس سمت دیکھا جہاں سے مجرم نے حاضر ہونا تھا.........

"محترم توردلئے کو پیش کیا جائے!"

چند لمحے بعد کچھ محافظ پابہ زنجیر اور دست بہ زنجیر توردلئے کو دربار میں لائے۔ سارے محافظ اور وزیر دربار کورنش بجا لائے مگر توردلئے نے ان لوگوں کی تقلید نہیں کی' وہ سیدھا کھڑا رہا۔

سارے نورتن اس سرکشی پر حیران ہوئے۔ خود بادشاہ کے بھی تیور بدل گئے۔

"وزیر دربار.........!" شہنشاہِ اکبر شدید غصے کے لہجے میں بولا۔

"جہاں پناہ.........!" وزیر دربار گڑگڑایا۔

"مابدولت جاننا چاہتے ہیں' تم نے دربارِ اکبری کے آداب سے مجرم کو بے خبر رکھا ہے.........؟"

"سر کی امان چاہتا ہوں جہاں پناہ۔" وزیر دربار بولا۔



"غلام نے اس کم بخت کے ساتھ پورے چھ گھنٹے سر کھپایا ہے' منت کی ہے' خوشامد کی ہے لیکن یہ ایسا سرپھرا آدمی ہے جہاں پناہ' صاف انکار کرتا ہے۔ کہتا ہے توردل کا سر خدا کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھک سکتا!"

"خاموش ہو جاؤ وزیر دربار!" اکبر جھنجھلا کر بولا۔ "اس کے آگے کچھ نہ کہنا.........!"

دربار میں سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ صرف ایک شخص ایسا تھا جو اس صورتِ حال سے محظوظ ہو رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔

وہ توردلئے تھا.........

"خاندانِ مغلیہ کے عظیم شہنشاہ......... واقعی بے چارے اس وزیر صاحب کا کوئی قصور نہیں ہے......... اس حد تک تو مجھے بھی تسلیم ہے کہ ہندوستان کے نامور بادشاہ کی عظمت کو مانوں لیکن خدا نہیں مان سکتا کہ سر بھی جھکا دوں!"

"ایسی آن بان کی باتیں اچھی نہیں لگتیں.........!"

"آن بان اور وقار کی باتیں تو ہر منہ سے اچھی لگتی ہیں جہاں پناہ' رہا چور اور لٹیرے کا طعنہ......... تو میں پوچھتا ہوں اس دنیا میں کون چور نہیں' کون لٹیرا نہیں.........؟ بہتر ہو گا میں ہی جواب دوں کہ یہاں ہر آدمی چور ہوتا ہے لٹیرا ہوتا ہے۔ کوئی نیت کا چور ہے' کوئی زمین کا' کوئی عورت کا' بلکہ میں تو کہتا ہوں بادشاہ بھی لٹیرا ہوتا ہے۔ اس کی نظر ہمیشہ دوسرے بادشاہوں کی سرحدوں پر ہوتی ہے!"

"توردل.........!" بادشاہ تقریباً چیخ اٹھا.........

توردل تو دو پیسے کا چور ہے بادشاہ سلامت' ان دو پیسوں کا جو جاگیرداروں اور خانوادوں کے گھروں میں ہیں۔ میں یہ پیسے زبردستی نکال کر غریبوں میں بانٹ دیتا ہوں اگر اسے بادشاہ سلامت چوری کہتے ہیں تو پھر میں واقعی چور ہوں!"

"تمہاری اس منطق کا مطلب یہ ہوا لٹیرے کہ انسان ہمیشہ انسان سے الجھا

رہے، ہمیشہ ایک دوسرے کی جیب کاٹتا رہے۔ سکون اور امن کے لمحے ختم ہو جائیں اور ایک دوسرے کا خون پینے کے سوا دوسرا کام باقی نہ رہے؟"

"گستاخی نہ ہو تو میں ہندوستان کے نامور بادشاہ سے ایک سوال کرتا ہوں اگر جلال الدین اکبر ایک انسان ہے تو تورولئے بھی ایک انسان ہے اگر بادشاہ کے سینے میں دل ہے تو تورولئے کے سینے میں بھی ایک دل ہے۔ اگر بادشاہ جذبہ رکھتا ہے تو میرا سینہ بھی اس سے معمور ہے......... میں پوچھتا ہوں اگر روئے زمین کے تمام انسانوں کے جذبے ایک جیسے ہیں تو پھر تورولِ کی بیوی کے "ست لڑے ہار" کی خواہش اتنا سنگین جرم کیوں ہے کہ اس کے شوہر کو گردن زدنی قرار دیا جائے؟"

شہنشاہِ اکبر غصے اور جذبات کو ضبط کرتے ہوئے چند لمحے چپ چاپ اسے دیکھتے رہے پھر تمکنت سے بولے.........

"مابدولت حیران ہیں، ایسی سرکشی کے باوجود تم اب تک زندہ کیسے کھڑے ہو لیکن سزا دینے سے پہلے میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہر ملک کا ایک قانون ہوتا ہے۔ اس قانون کی عزت ضروری ہوتی ہے لیکن جو شخص ملک کے قانون کی عزت نہیں کرتا یقیناً" اس کا سر قلم کر دینا چاہیئے.........!"

"بے شک اس کا سر قلم کر دینا چاہیے جو قانون کی عزت نہیں کرتا لیکن بادشاہ سلامت اگر قانون غلط ہو، قانون چلانے والے ہی غلط ہوں تو پھر فیصلہ کیسے ہو گا.........؟"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ قانون غلط ہے تمہارے پاس اس کی کیا کسوٹی ہے.........؟"

"میرے پاس اس کی کسوٹی یہ ہے بادشاہ سلامت کہ جس سلطنت میں عام آدمی کی خواہشیں پوری نہیں ہوتیں وہ سلطنت غلط ہے۔ وہ نظام غلط ہے، وہ قانون بھی غلط ہے.........!"



شہنشاہ نے چیں بہ چیں ہو کر کہا.........

"تورولِ.........! تم نے جو کچھ کہا، دربارِ اکبری میں آج تک کسی نے نہیں کہا......... لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم چادر سے پاؤں باہر نکال لو.........؟"

"میرے پاس اتنی بڑی چادر ہی کہاں ہے بادشاہ سلامت کہ پاؤں چھپا سکوں......... شہنشاہِ ہند نے تو فریاد سننے سے پہلے موت کی سزا کا حکم دے دیا تھا۔ میری قسمت کہ خونخوار کتوں نے مجھے کچھ نہ کہا۔ میری تقدیر کہ شہ زور ہاتھی نے میری چھاتی پر قدم نہ رکھا لیکن اس کے باوجود یہ جانتا ہوں کہ موت کے بغیر میری دوسری سزا نہیں ہے۔ جب مرنا ہی ہے اور تقدیر نے مرنے سے پہلے چند لمحوں کی مہلت دے کر شہنشاہِ ہندوستان کے دربار تک پہنچا دیا ہے تو پھر خاموشی کے کیا معنی، سچ نہ کہنے کی کونسی مصلحت، میں تو تاریخ کے عظیم شہنشاہ سے انصاف کی ایک ذرہ بھر توقع نہیں رکھتا.........!"

اکبر اعظم کی عجیب کیفیت، شاہانہ تمکنت اپنی جگہ مگر اس کے باوجود ایک مجرم کا بھرے دربار میں اس کے انصاف سے انکار ایک الگ مسئلہ تھا اور وہ کسی نہ کسی شکل میں اس کی نفی کرنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے نہایت نرمی سے کہا.........

"تورولِ......... تم اکبر کے انصاف سے اس قدر مایوس کیوں ہو؟"

"میں انصاف کی توقع بھی کیوں رکھوں، بادشاہ سلامت۔ اکبرِ اعظم نے تو اپنی اولاد سے انصاف نہیں کیا، شیخو جیسے پیارے بیٹے کے جذبات کی پروا نہ کی۔ انارکلی کو شہزادے سے الگ کر دیا۔ مہرالنساء کو شیرافگن کے حوالے کر دیا۔ شہی کو تورولئے سے جدا کر دیں گے تو یہ شہنشاہ کے لئے کوئی نئی بات تو نہ ہو گی.........!"

اکبر سٹپٹا کر جواب نہیں دے پایا تو ابوالفضل بول اٹھا۔

"مطلب کی بات کرو توردلِ۔ دنیا کے نامور اور ہندوستان کے بے مثال تاجدار کے سامنے اس ڈھٹائی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے کہ تمہارا جرم کتنا شرمناک ہے؟"

توردلئے ہنس پڑا۔

"بادشاہ سلامت لاجواب ہو گئے تو وزیر اعظم کی کمک آن پہنچی.........!"

"جہاں پناہ.........!" ابوالفضل بولا......... "غلام حیران ہے' اس توردلِ بد بخت کی بد زبانی پر اور اپنے فراخدل شہنشاہ کی عالی ظرفی پر۔ ایک طرف ایک کم ظرف ڈاکو ہے' دوسری طرف رحم و انصاف کا پہاڑ......... غلام یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہے کہ اس کم بخت کو مزید بد زبانی کا موقع نہ دیا جائے۔ اس کے قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ غلام درخواست کرتا ہے کہ فوراً" اس حکم پر عمل در آمد کی اجازت دی جائے.........؟"

عین اس لمحے بھگوان داس اور شمی دربار میں داخل ہوئے۔ بھگوان داس نے ہاتھ جوڑ کر گذارش کی.........

"رحم' اَن داتا رحم.........!"

سارے درباری اس طرف متوجہ ہوئے۔ اکبر نے بھی ادھر دیکھا۔

"بھگوانداس تم.........! تم پر کیا ظلم ہُوا ہے اور یہ لڑکی کون ہے؟"

"اَن داتا......... بھگوانداس بولا......... "یہ لڑکی منڈر قبیلے کے سردار مستجاب خان کی بیٹی ہے۔ یہ توردلئے کی سہاگن ہے۔ سہاگ کے کپڑے پہن رکھے ہیں لیکن سہاگ کی رات ابھی نہیں دیکھی!"

"کیوں.........؟" اکبر نے پوچھا......... "کیا توردل نے اس معصوم کے ساتھ بھی کوئی ظلم روا رکھا ہے.........؟"

"اَن داتا۔" بھگوانداس نے جواب دیا۔ "توردلئے نے اس کے ساتھ کوئی ظلم



نہیں کیا بلکہ غلطی خود اس نادان کی ہے۔ سہاگ رات کو اس نے توردلئے سے مذاق کیا اور ملکۂ ہند کے "ست لڑے ہار" کی خواہش کا اظہار کیا۔ توردلِ جس نے زندگی میں کبھی نیچا نہیں دیکھا تھا' بیوی کے مذاق کو سچ جان کر اٹھ کھڑا ہُوا اور اندھیری رات میں "ست لڑے ہار" کی تلاش میں یہاں تک آن پہنچا۔"

"جہاں پناہ۔" شمی نے تائید کی۔ "توردلئے بے گناہ ہے سارا قصور میرا ہے' توردلِ کو چھوڑ دیا جائے۔ سزا مجھے دی جائے!"

اکبر کو شمی کی بات اچھی نہ لگی۔

"نادان عورتوں کی وجہ سے تاریخ کی شکل ہمیشہ مسخ ہوئی ہے اور دنیا میں فساد پھیلا ہے!"

"جہاں پناہ۔" شمی گڑگڑائی......... "مثال ہے کہ ایک غلطی تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے۔"

"یہ ایسی غلطی نہیں لڑکی کہ درگزر کر دی جائے۔ آج ایک لڑکی نے خواہش ظاہر کی ہے کہ ملکۂ ہند کے گلے کا ہار اس کے گلے کی زینت بن جائے' کل کوئی اور بیوقوف اٹھے گا' اسے اکبر کے تاج کی ضرورت ہو گی اگر ایسے احمقوں کے ساتھ نرم سلوک روا رکھا گیا تو کل خیبر سے لے کر راس کماری تک ہر آدمی ہمارے لئے توردلئے بن جائے گا!"

"اَن داتا........." بھگوانداس نے صورتِ حال بگڑتی دیکھ کر بات کا رخ بدلا......... "اولاد اگر ماں کا دودھ پیتی ہے' لہو پیتی ہے تو روپیہ کیا چیز ہے۔ اشرفی کیا چیز ہے کہ اولاد پر قربان نہ کی جائے......... بادشاہ رعایا کا باپ ہوتا ہے اور رانی رعایا کی ماں ہوتی ہے۔ اولاد ماں باپ سے نہ مانگے تو کس سے مانگے۔ شمی نے بھی ماں کے گلے کا ہار مانگا تو کیا' برا کیا اَن داتا.........؟"

"بھگوانداس ......... چل وَل کی بات مت کرو۔ جرم کی شکل کو جذبات کی

صورت میں نہ بدلو.........."

"سر کی پناہ چاہتا ہوں اَن داتا اور جرأتِ گفتار کی معافی' سردار مستجاب خان کو بھائی کہا ہے اور شہی کو بیٹی' ایک باپ اپنا حق تو رکھتا ہے کہ اپنی بیٹی کے سہاگ کی بھیک مانگے.........."

"بھیک کی بات ہو تو تمہارا منہ موتیوں سے بھر دیا جائے بھگوان داس۔ تمہاری سیوا اور تمہاری وفاداریوں پر اکبر کو ناز ہے لیکن قانون کا احترام ہر چیز سے افضل ہوتا ہے۔ خدا کی قسم! ساری دنیا سے پیارا شیخو بھی جرم کرے گا تو اکبر کے قانون کی زد سے بچ نہ سکے گا!"

"اَن داتا.......... بے شک قانون کا احترام سب پر مقدم ہے لیکن بادشاہوں کے دل بھی تو رحم کے خزانے ہوتے ہیں اگر انصاف کے ترازو میں قانون کو ایک پلڑے میں ڈال دیا جائے اور رحم کو دوسرے پلڑے میں تو بندے کو یقین ہے کہ رحم کا پلڑہ بھاری ہو گا.........."

"بھگوانداس.......... توردلئے ڈاکہ ڈالتا تو ما بدولت لٹے ہوئے لوگوں کا نقصان پورا کر کے تمہاری سفارش پر اس کو چھوڑ دیتا اگر توردلئے قتل کرتا تو ما بدولت مقتول کے ورثا کو شاہی خزانے سے خون بہا دے کر معاف کر دیتا لیکن بھگوانداس.......... توردلئے کا جرم بہت سنگین ہے۔ اس نے نہ صرف بادشاہ بیگم کی میٹھی نیند کو حرام کیا بلکہ شاہی حرم کی بے حرمتی کی اور اکبر کے احساس کو زخمی کیا.........."

"رحم اَن داتا رحم!" بھگوانداس لاجواب ہو کر جھک گیا۔

"منور خان لالہ!" شہی نے اسے مخاطب کیا.........."کس طرح چپ سادھ رکھی ہے' بھابی بیوہ ہو جائے گی اور تم اسی طرح پتھر کے بت کھڑے رہو گے.........؟"

منور خان نے بے بسی کا ردِ عمل دیتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔ شہی نے بات جاری رکھی.........



"پٹھان دوسرے کے گھر میں تربور سے انتقام نہیں لیتا منور خان لالہ۔ میں منڈروں کی بیٹی اور یوسف زئیوں کی بہو ہوں۔ خود تمہاری ناموس ہوں لیکن تمہاری زبان بند ہے' غیرت مر گئی ہے۔ کل بیوہ بہن کو ساتھ لے کر اپنے قبیلے میں کونسا منہ لے کر جاؤ گے.........؟"

"جہاں پناہ.........." منور خان بے حد بھاری آواز سے بولا۔ "غلام کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو منور خان.........؟"

"جلیل القدر شہنشاہ.......... سرِ تسلیم خم ہے۔ خدمت غلام کا فرض ہے' اس لئے خدمت کا صلہ نہیں مانگتا لیکن بہن کی باتوں نے کلیجہ چھلنی کر دیا ہے جہاں پناہ.......... شہی منڈروں کی بیٹی اور یوسف زئیوں کی عزت ہے۔ شہی دو قبیلوں کی آن ہے اگر شہی کے سر سے شوہر کی عزت کی چادر سرک گئی تو ساری زندگی اپنوں اور پرایوں کی لعنت کا نشانہ بن جاؤں گا..........!"

"منور خان یہ تم کہہ رہے ہو!" اکبر حیرت سے بولا۔ "توردل کی زندگی چاہتے ہو' اس آدمی کی زندگی' جس نے تمہاری زندگی اجیرن کر رکھی تھی.........؟"

"جہاں پناہ.......... یہ ٹھیک ہے توردلئے میرا دشمن ہے لیکن یہ گھر کا دشمن ہے۔ پٹھان گھر کی دشمنی وطن سے باہر نہیں کرتا۔"

"ٹھیک ہے منور خان' اکبر پٹھانوں کی اس خوبی سے اچھی طرح آگاہ ہے اگر آنجہانی پدر گرامی بھی پٹھانوں کی اس روایت سے آگاہ ہوتے تو ہندوستان کے پایۂ تخت پر شیر شاہ سوری کبھی قابض نہ ہوتا.........."

"شہنشاہِ معظم کی کمال اندیشی میں کسے شبہ ہو سکتا ہے جہاں پناہ' لیکن اس کے باوجود دربارِ اکبری میں پٹھانوں کو خاص مقام حاصل ہے۔ دربار میں غلام کی موجودگی اس کی مثال ہے۔"

"منور خان...... مابدولت جانتے ہیں کہ پٹھان جس طرح دشمنی میں یکتا ہوتا ہے اسی طرح دوستی میں بھی بے مثال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکبر پٹھانوں پر اعتماد کرتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ توردلئے جیسے آدمی کو بھی عزت دی جائے۔"

"جہاں پناہ' غلام کی عرض گزاری کا مطلب صرف اتنا ہے کہ توردلئے کو معاف کر دیا جائے۔ غلام توردلئے پر بھی زور دے گا کہ شہنشاہِ معظم سے معافی مانگ لے!"

"منور خان......!" توردلئے نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا...... "تم نے جتنی باتیں کیں' اچھی کیں لیکن گیت کا آخری بند اچھا نہیں کہا...... تم نے کس امید پر یہ بات کہی کہ توردلئے کسی سے معافی بھی مانگ سکتا ہے!"

"توردلئے...... بادشاہ رعایا کا باپ ہوتا ہے' اپنے باپ سے معافی مانگنے پر تمہاری غیرت پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔"

"اگر باپ مجھے بیٹا سمجھتا تو ایک معمولی ہار کی خاطر زنجیروں میں نہ جکڑتا۔ جو باپ بیٹے پر ایک ہار قربان نہیں کر سکتا' بیٹا اس باپ سے معافی کیسے مانگ سکتا ہے؟"

"توردِل......!" اکبر تقریباً چیخ اٹھا...... "بس اب آگے کچھ نہ بولنا ورنہ زبان داغ دی جائے گی!"

"زبان حاضر ہے جہاں پناہ......!" توردلئے بے نیازی سے بولا۔

"منور خان......!"

"جہاں پناہ......"

"تم نے اس بدبخت کی سرکشی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا نا؟"

"جہاں پناہ...... غلام توردِل کی گستاخیوں کی معافی چاہتا ہے اور عرض کرتا ہے توردلئے کو معاف کر دیا جائے اور اس کے بدلے غلام کا سر کاٹ دیا جائے!"



"منور خان......!" اکبر غصے میں بولا...... "اس کا مطلب یہ ہُوا اکبر کے فیصلے' فیصلے نہ ہوئے۔ اکبر کا حکم ایک مذاق ہے اور ہر کے دمے کو ان فیصلوں میں عمل دخل ہوتا ہے؟"

"جہاں پناہ...... غلام اپنے الفاظ واپس لیتا ہے اور اس دیدہ دلیری پر شرمندہ ہے!"

"شرمندہ ہونے اور الفاظ واپس لینے سے بات ختم نہیں ہو جاتی۔ نیا حکم یہ ہے کہ بھرے دربار میں تم اپنے ہاتھوں سے توردِل کا سر قلم کرو گے......!"

"جہاں پناہ......!" منور خان ضبط کرتے ہوئے بولا۔

"حکم کی تعمیل کی جائے!" اکبر جلال میں آ کر بولا۔

دربار میں سناٹا طاری ہو گیا۔

"منور خان......!" توردلئے بولا...... "اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرو' توردلئے کو اب تم سے کوئی شکوہ نہیں رہا......"

"جہاں پناہ......" منور خان استقلال سے بولا...... "بھائی بہن کے سر کی چادر پھاڑنے کا گناہ نہیں کر سکتا۔ غلام اپنا سر پیش کر سکتا ہے توردلئے کا سر قلم نہیں کر سکتا!"

"منور خان......!" اکبر چیخا۔

"غلام کا سر حاضر ہے۔ جہاں پناہ!" منور خان تسلی سے بولا۔

عین اس وقت ایک کنیز آداب بجا لاتی ہوئی آ گئی۔

"ظلِ ہما...... بادشاہ بیگم اس سلسلے میں کچھ عرض کرنا چاہتی ہیں۔"

اکبر نے سر گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا اور نرمی سے بولا۔

"ملکۂ ہند کیا کہنا چاہتی ہیں......؟"

باریک ریشمی پردے میں سے بادشاہ بیگم نظر آ رہی تھیں۔

"عالی جاہ......... نصیبِ دشمناں، طبع نازک پر گراں نہ گزرے ہم اپنا "ست لڑا ہار" شہی کو تحفہ میں دینا چاہتے ہیں!"

"بادشاہ بیگم.........!" اکبر نرمی سے مگر احتجاجی لہجے میں بولا۔

"عالی جاہ......... اور یہ بھی کہ شہی کے سہاگ کی سلامتی کی درخواست کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ عالی جاہ، ہماری پہلی اور آخری خواہش کا احترام ضرور کریں گے.........؟"

شہزادہ سلیم مسکرایا، اکبر متانت سے بولا.........

"ٹھیک ہے ما بدولت بادشاہ بیگم کی سفارش کو رد نہیں کر سکتے لیکن حکم عدولی کے جرم میں منور خان کے قتل کا حکم صادر کرتے ہیں!"

ایک اور کنیز چاندی کے تھال میں "ست لڑا ہار" اٹھائے اندر آگئی.........

"ست لڑا ہار" حاضر ہے ظلِ ہما.........!"

"آگے آ جاؤ کنیز........." اکبر سنجیدگی سے بولا۔ "اور تم بھی آ جاؤ شہی!"

شہی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ وہ تھرتھراتے ہونٹوں کے ساتھ اکبر اعظم کے قریب آگئی.........

اکبر نے چاندی کے تھال سے ریشمی رومال اٹھایا اور "ست لڑا ہار" شہی کے گلے میں ڈال دیا۔

دربار کا ہر آدمی عجیب ردِ عمل سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ البتہ شہزادہ سلیم کا چہرہ کھل اٹھا تھا.........

شہی اپنی مسرت کو ضبط نہ کر سکی، زارو قطار رو پڑی اور دوڑ کر توردلئے کے پاؤں پڑ گئی.........

اکبرِ اعظم اسی طرح سنجیدہ تھا......... وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے۔

"توردلئے کو زنجیروں سے آزاد کر دیا جائے اور دونوں میاں بیوی کو احترام سے



رخصت کیا جائے۔"

محافظوں نے زنجیریں کھولنی شروع کیں تو توردلئے نے انہیں ٹوکا۔

"ٹھہرو.........!" اس نے شہنشاہِ اکبر کی طرف دیکھا......... "جہاں پناہ، میں آپ کی عالی ظرفی اور بادشاہ بیگم کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن بھائی کی موت کے بدلے اپنی زندگی نہیں چاہتا؟"

"توردلِ......... ما بدولت تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ منور خان کو تم سے پہلے تمہارے گاؤں پہنچا دیا جائے گا!"

"شکریہ جہاں پناہ.........!"

اکبر خفیف سا مسکرایا مگر توردلئے کے علاوہ سارے درباری اس معنی خیز تبسم کے معنی سمجھ گئے تھے.........

❖

توردلئے اور شہی اکوڑہ کے قریب کسی ویرانے میں سو رہے تھے۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ شہی کی آنکھ کھل گئی۔ اسے شدید پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے توردلئے کو اٹھایا۔

"کیا بات ہے؟" توردلئے نے پیار سے پوچھا۔

"سخت پیاس لگی ہے، حلق سوکھ گیا ہے۔"

"اچھا.........!" توردلئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "تلاش کرتا ہوں پانی۔"

"میں یہاں اکیلی رہوں گی.........؟" شہی نے پوچھا۔

"ڈرو نہیں میں جلدی آ جاؤں گا۔"

"لیکن........." توردلئے نے اس کی بات کاٹی۔

"پیدل چلو گی تو پیاس اور بڑھ جائے گی........."

"اچھا.........!" وہ بادلِ نخواستہ بولی۔

توردلئے پانی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

❖

وہ مارا مارا پھرتا رہا......... تقدیر اسے خانہ بدوشوں کے خیمے کی طرف لے گئی......... خانہ بدوشوں کے کتوں نے توردلئے کو گھیر لیا۔ چھ سات کتے' اکیلا توردلئے' وہ پتھر اٹھا اٹھا کر مارتا رہا اور جان بچاتا رہا۔ خانہ بدوش جاگ اٹھے۔ انہوں نے دیکھا کتوں نے کسی آدمی کو گھیر رکھا ہے۔

"یقیناً" کوئی چور یا ڈاکو ہو گا.........!"

وہ کلہاڑیاں اور ڈنڈے اٹھا کر اس طرف بڑھے۔

اس سے پہلے کہ توردلئے اپنا تعارف کراتا' آنے کا مقصد بتاتا......... خانہ بدوش یکبارگی اس پر پل پڑے۔

توردلئے اس کے لئے تیار نہ تھا' ورنہ وہ اتنا آسانی سے مار کھانے والا آدمی نہیں تھا۔

کلہاڑی کا ایک کاری وار پڑا اور توردلئے گر پڑا۔ وہ یہ بھی نہ بتا سکا کہ انہوں نے کس شخص پر کیسے وقت وار کیا جبکہ وہ دنیا کی بیشتر کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرشار ایک نئی زندگی کا آغاز کر رہا تھا.........

خانہ بدوشوں نے اسے مار کر وہیں پھینک دیا اور اس کی نعش پر چادر ڈال کر اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

❂

صبح ہو گئی مگر توردلئے نہ لوٹا.........



شی بے چین و بے قرار و مضطرب اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

سو وسوے.........!

کہاں چلا گیا اس کا محبوب.........؟

کہاں چلا گیا وہ ناقابلِ مفتوح شخص' جسے سو جتن کر کے اس نے جیتا تھا.........؟

کہاں چلا گیا وہ پہاڑ سا شخص' جسے قہرِ اکبری بھی زیر نہ کر سکا .........؟

شی بے چاری کیا جانے کہ وہ جو سینکڑوں ناکہ بندیوں کو توڑتا رہا' ہزار منصوبوں کو مٹی میں ملاتا رہا' کیسی بے خبری اور معصومیت سے خاک میں مل گیا.........!

آخر کب تک بیٹھی انتظار کرتی وہ توردلئے کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی.........

❖

وہ چیختی چلاتی کبھی ایک طرف دوڑتی' کبھی دوسری طرف بھاگتی.........

شی نے اکوڑہ کے آس پاس خشک ندی نالوں' پہاڑیوں اور کھائیوں کا کونہ کونہ چھان مارا' وہ بال بکھیرے' خاک بسر' زارو قطار روتی پاگلوں کی طرح محبوب کی تلاش میں ماری ماری پھرتی رہی.........

اپنے آپ کو کوستی' وہ کیسا منحوس لمحہ تھا جب اس نے پانی کے لئے کہا تھا.........

اسی بھاگ دوڑ میں اسے چند آدمی نظر آئے جو ایک جنازہ اٹھائے چلے آ رہے تھے۔ شی ان کی طرف دوڑی۔ قریب پہنچی تو ان میں سے ایک نے کہا.........

"یہ تو شی معلوم ہوتی ہے.........؟"

"ہاں ہاں میں شہی ہوں!" وہ روتے ہوئے بولی......... "تم لوگوں نے مجھے پہچان لیا۔ تم توردلئے کو بھی پہچانتے ہو گے، کہاں گیا میرا توردلئے.........؟"

ان میں سے ایک نے کہا.........

"بہن، ہم تو اٹک کے قلعے سے آ رہے ہیں اور توردلئے کے گاؤں جا رہے ہیں۔ اکبرِ اعظم کا حکم تھا کہ یہ امانت توردلئے کے پہنچنے سے پہلے گاؤں پہنچ جائے!"

"کیا کہہ رہے ہو تم لوگ........." شہی حیرت سے بولی......... "میں توردلئے کے متعلق پوچھتی ہوں اور تم امانت کی باتیں کر رہے ہو!"

اب دوسرے آدمی نے کہا.........

"یہ وہ امانت ہے بہن جو توردلئے اور شہی کے لئے قربان ہُوا ہے!"

"کیوں پریشان کرتے ہو مجھے؟" شہی نیم دیوانگی کے عالم میں بولی......... "ابھی تو توردلئے کے گم ہونے کا راز نہیں کھلا، پھر تم شہی کو اور کیا سنانے پر تلے ہوئے ہو.........؟"

تیسرے نے کہا.........

"شہی بہن.........! ہمیں افسوس ہے ہم منور خان کی لاش لائے ہیں.........!!"

شہی چند لمحوں کے لئے ہکی بکی رہ گئی لیکن پھر جنون کی کیفیات میں "نہیں نہیں" کہتی ہوئی ویرانوں کی سمت نکل بھاگی.........

❖

وہ میلوں تک بے سمت اور بے نشان جنونی حالت میں اِدھر اُدھر دوڑتی بھاگتی رہی......... وہ "توردلئے توردلئے" پکارتی رہی۔ اکوڑہ کے ریگزاروں کے ہر ذرے نے یہ آواز سن لی تھی، ہر پتھر نے سن لی تھی......... مگر وہ خاموش تھے، وہ اس لئے



خاموش تھے ان میں ہمت نہیں تھی کہ وہ شہی کو توردلئے کی موت کی خبر سنا سکیں.........!

خانہ بدوشوں کے بچوں نے جو توردلئے کی نعش کے اردگرد کھڑے تھے یہ آواز سن لی تھی۔ وہ اس سمت دیکھ رہے تھے جدھر سے ایک لڑکی سہاگ کے کپڑوں میں ملبوس "توردلئے توردلئے" کہتی ہوئی بھاگی چلی آ رہی تھی۔

اب دوسرے خانہ بدوش بھی اس طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ مرد عورتیں سب ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔

خاک بسر شہی وہاں پہنچی تو سب نے حیرت سے دیکھا۔ شہی نے بیک وقت سب سے سوال کیا۔

"تم لوگوں نے توردلئے کو نہیں دیکھا.........؟ کہاں گیا میرا توردلِ.........؟

"خدایا کہاں چلا گیا میرا توردلِ خان.........؟"

"توردلئے ڈاکو.........؟" کسی خانہ بدوش نے پوچھا۔

"ڈاکو نہیں میرا سرتاج.........! میری محبت، میرا پیار، تم لوگ اندھے ہو، میرے گلے میں "ست لڑا ہار" نہیں دیکھ رہے۔ اکبر بادشاہ کی بیگم کا "ست لڑا ہار" توردلئے نے زندگی داؤ پر لگا کر یہ ہار میرے لئے حاصل کیا......... یہ کام میرا توردلئے ہی کر سکتا تھا.........!!"

ایک خانہ بدوش آگے بڑھا اس نے نعش سے چادر اٹھا دی۔

"یہ دیکھو......... یہ تو نہیں ہے توردلئے.........؟"

شہی نے دیکھا......... توردلئے خون میں لت پت پڑا تھا.........

اس کا رونا دھونا ختم ہو گیا......... وہ شدید ردِ عمل کے ساتھ کانپتے لرزتے ہوئے، دھیرے دھیرے لاش کے پاس بیٹھ گئی۔

خانہ بدوش چپ چاپ اس عمل کو دیکھتے رہے.........

شہی توردلئے پر جھک گئی اس نے توردلئے کی خون آلود پیشانی پر ہونٹ رکھ دیئے..........

اس نے توردلئے کا خوبصورت سر دونوں ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

چند لمحے گزرے......... پھر چند اور لمحے گزرے۔

مگر شہی نے سر نہ اٹھایا۔

خانہ بدوشوں کی حیرت اور بڑھ گئی..........

ایک بوڑھی خانہ بدوش عورت آگے بڑھی۔ اس نے ہمدردی سے شہی کے کندھے پر ہاتھ رکھا......... اس نے شہی کا کندھا ہلایا مگر شہی پھر بھی نہ اٹھی..........

عورت نے دونوں ہاتھوں سے شہی کا سر اٹھایا تو خانہ بدوش دنگ رہ گئے..........

شہی مرچکی تھی..........!

شہی توردلئے کے پاس پہنچ چکی تھی..........!!

بوڑھی عورت نے نہایت عقیدت سے شہی کا سر توردلئے کی چھاتی پر رکھ دیا..........

شہی کی بھٹکی ہوئی روح منزلِ مراد تک پہنچ گئی تھی..........

منور خان کا جنازہ اب خانہ بدوشوں کی بستی کے قریب سے گزر رہا تھا۔

ایک راہِ وفا میں شہید ہوا۔

اور باقی دو نے سرحد کے کہساروں میں محبت کا آخری سنگِ میل گاڑھا..........

لڑکیاں اِس بیسویں صدی میں بھی یہ لوگ گیت گاتی ہیں۔

شہی روانہ دہ ڈاکوڑی پہ میدانونو

شہی کی روح آج بھی اکوڑہ کے ویرانوں میں بھٹکتی پھرتی ہے۔